بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.13	نومبر ۲۰۱۸ء/ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ November 2018	Issue.No.9

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سعید فیضی ندوی مولانا بلال عبدالحئی حسنی ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا محمد احمد صالح جی، مولانا حسن مرچی، مولانا محمد زکریا پٹیل
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.ocm
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ........................۲۰/روپئے
سالانہ........................۲۴۰/روپئے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

Files\A017.TIF not found.
Files\A025.TIF not found.
Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
الحاج حافظ محمد ایوب کاڑواصاحبؒ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ڈائری کا ورق		۷
مفکر اسلام کی خدمت میں......حاضری	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	
فکروعمل		۹
چمن سرور کا جل گیا	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	
رہنمائے طلباء		۱۱
طلبہ کے تربیتی، فکری اور تحریکی کورسس	انجینئر مصطفیٰ محمد طحان	
تاریخ کے دامن سے		۱۶
ترکی-خلافت عثمانیہ کی راہ پر	مولانا محمد نفیس خان ندوی	
سفرنامہ ہند		۲۱
مغربی یوپی کا ایک یادگار سفر	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، یوکے	
غوروفکر		۲۶
برما کے سیاسی حالات اور روہنگیا کے مسائل	مولانا عبدالستار قاسمی اعظمی	
تجزیہ		۳۱
حضرت مولانا محمد سالم صاحب......تعلیم	ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی	
دعوت اصلاح		۳۳
دوسروں کی پریشانی دیکھ کر خوش نہ ہونا چاہئے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تحقیقات		۳۶
صاحب اظہار الحق کی دس اہم کتابیں	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
حقائق		۳۹
وہ ملک جس نے سود ختم کر دیا	اوریا مقبول خان	
طب وصحت		۴۱
صبح کی سیر وتفریح صحت کیلئے ضروری	جناب مظہر حسین شیخ	
اصلاحیات		۴۳
جود وسخا جنت میں داخلہ کا سبب	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
۱/۴ صفحہ	//	۴۰۰............

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے،لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/ روپے ارسال فرمائیں،تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

حضرت الحاج حافظ محمد ایوب صاحب کاڑوا
اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالی نے بعض بندوں کو یہ صفت عطا فرمائی ہے کہ وہ جو بولتے ہیں، وہ ان کے دل کی آواز ہوتی ہے، وہ جو بولتے ہیں، سچ بولتے ہیں، سچائی ان کی پہچان ہوتی ہے، چرب زبانی، دھوکہ دہی، سامنے والے کو وقتی طور پر اپنی باتوں سے متاثر کرنا ان کا مزاج نہیں ہوتا، بلکہ وہ نیک دل، نیک طبیعت اور اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں، ایسی ہی ایک شخصیت جنوبی افریقہ کے ایک شہر پورٹ شیپٹن میں جناب حضرت الحاج حافظ محمد ایوب صاحب کاڑوا کی تھی، جن کا ۳؍صفر المظفر ۱۴۴۰ہجری مطابق ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۸ء سنیچر کے روز فجر سے قبل انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، حضرت حافظ صاحب ۵؍مارچ ۱۹۴۶ء کو پورٹ شیپٹن میں پیدا ہوئے، اسکول میں گریڈ ۸؍کے اسٹینڈرڈ ۶؍تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کا سفر کیا، ہندوستان کا سفر ۱۹۶۱ء میں پانی کے جہاز s.s.karanja سے کیا، جس میں ایک ماہ لگا، کچھ روز اپنے آبائی گاؤں کٹھور میں قیام کیا، اس کے بعد جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ لیا، وہاں تین سال میں حافظ ایوب صاحب کے پاس حفظ قرآن مجید کیا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تین سال تک عالمیت کی تعلیم حاصل کی، ندوہ میں قیام کے دوران چھٹیوں میں جلال آباد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے، ہندوستان سے ہی ۱۹۶۷ء میں حج کے لئے گئے، غالباً ۱۹۶۸ء میں وطن جنوبی افریقہ واپس گئے، اور بیماری کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کرسکے، یہاں تک کہ ۱۹۶۹ء میں شادی ہوگئی، اس کے بعد والدین کی خدمت میں رہے، اللہ تعالی نے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا کیں، ماشاءاللہ سب شادی شدہ ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا زکریا صاحب کاڑوا ہیں، جو نیک صالح اور بزرگوں کی نسبت کے حامل ہیں، اپنا کاروبار کرتے ہیں، دوسرے بیٹے حافظ شعیب احمد صاحب ہیں جو مکتب میں پڑھاتے ہیں اور کاروبار بھی کرتے ہیں۔

حضرت حافظ صاحب نے ہندوستان سے جانے کے بعد اپنے شہر میں ہی درس وتدریس کا کام کیا، فی سبیل اللہ مدرسہ میں پڑھایا، کبھی تنخواہ نہیں لی، ان کے والد صاحب اخراجات کے لئے پیسے دیتے تھے، ان کے شہر میں شادی، نکاح اور جنازے کے موقع پر لفافے کا رواج تھا، جو حافظ صاحب نے بڑی جدوجہد اور محنت سے ختم کیا، لوگوں نے مخالفت بھی کی، مگر وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے، ۱۹۷۸ء میں اہلیہ کے ساتھ حج پر گئے، اس کے بعد مختلف سالوں میں چھ سات سے زیادہ حج کئے، ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ء تک مسلسل رمضان میں عمرے کے لئے حجاز تشریف لے جاتے، اور حرمین کے قیام سے مستفیض ہوتے اور اپنے رب سے راز ونیاز کرتے، اور ذکر وعبادت میں مشغول رہتے، یوکے اور جرمنی میں جماعت تبلیغ میں بھی وقت لگایا، ساؤتھ افریقہ جانے والے بزرگوں کے ساتھ رہتے، ان کی خدمت ورفاقت اپنی سعادت سمجھتے، حضرت مولانا منظور نعمانی، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے ساتھ مستقل دورے کئے اور جنوبی افریقہ

کے مختلف شہروں میں گئے، اخیر دور میں حضرت حافظ صاحب نے بظاہر اپنے آپ کو کاروبار میں مشغول رکھا، مگر حقیقت میں وہ دینی کاموں میں، مدارس کی تعمیر وترقی میں اور قرآن وحدیث کی نشر واشاعت میں مشغول تھے، اور اپنے اس عمل کو انہوں نے زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا، ان کا چلنا پھرنا، ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا گفتگو کرنا، ان کا کاروبار کرنا، دوکان میں بیٹھنا اور کہیں کا سفر کرنا، تجار اور مخیّرین سے ملنا، غرضیکہ ہر وقت اور ہر لمحہ اسی تگ ودو اور فکر میں لگا ہوا تھا، کہ کس دینی ادارے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کو کیسے پورا کرنا ہے، کہاں کا کیا تقاضا ہے؟ اس کو دیکھنا ہے، کہاں کیا مسائل ہیں؟ ان کو کیسے حل کرنا ہے، کہاں کیا بات پیش آ گئی؟ اس کو کیسے انگیز کرنا ہے، کس کی شادی کرانی ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ کس کو پانی کی ضرورت ہے؟ کس کو چھوٹے سے کاروبار کی ضرورت ہے؟ کس ادارے کے مطبخ میں کیا لوازمات چاہئیں؟ کہاں اساتذہ کی تنخواہیں باقی ہیں؟ کس کی درسگاہیں بنی ہیں؟ کس کی عمارت کا پلاستر ہونا ہے؟ کس کا لینٹر ڈلنا ہے؟ کس کی پانی کی ٹنکی بنی ہے؟ کس کی مسجد بنی ہے؟ کس کے دروازے لگنے ہیں؟ کس کو گرمی میں پنکھے چاہئیں اور کس کو پانی ٹھنڈا کرنے کی مشین چاہئے؟ غرضیکہ دینی اداروں کی کونسی ضرورت ہے جس کو وہ پورا نہ کرتے تھے، ان کے پاس صبح سے شام تک جو فون آتے تھے، ۹۹ ر فیصد ایسے ہی ضرورت مندوں کے ہوا کرتے تھے، سب کا حساب رکھتے تھے، بیدار مغز اتنے تھے کہ اگر ضرورت مند نے پہلی گفتگو میں کچھ اور بتلایا اور دوبارہ ضرورت پوری کرنے کے وقت کسی نے بات میں ذرا بھی ہیرا پھیری یا تبدیلی کی تو فوراً پکڑ لیتے تھے کہ آپ نے تو یہ بتلایا تھا۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ضرورت مند حضرات ان کو اپنی ضروریات کی جو فہرست بتلاتے تھے، اگرچہ بتلانے والے صحیح ہی ہوا کرتے تھے مگر کبھی کبھی کوئی ہوشیار اور غلط بھی ہوتا تھا، مگر وہ اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ اس کو بھی سچ ہی سمجھتا تھا، اور وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے جس کا انہوں نے وعدہ کرلیا ہے، پوری تگ ودو کرتے تھے اور اس کو نبھاتے تھے، نہیں تو راقم نے اکثر تجار کا یہ تجربہ کیا ہے کہ ضرورت مند جب اپنی بات پیش کرتا ہے تو وہ اس وقت اس کو ٹالنے کیلئے وعدہ کر لیتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ فی الحال سامنے سے ہٹ جائے، بعد میں دیکھا جائے گا، بعد میں جب آدمی فون کرتا ہے اور اپنی ضرورت کے سلسلہ میں تاجر کو اس کا اپنا وعدہ یاد دلاتا ہے تو یا تو وہ فون نہیں سنتا، یا کم سے کم یہ کہہ دیتا ہے کہ بھائی اگر وعدہ کر ہی لیا تھا، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ جان پہ ہی آ جائیں، یہ انداز ہوتا ہے، تنگ آ کر آدمی فون کرنا چھوڑ دیتا ہے، مگر حضرت حافظ صاحب کا یہ مزاج تھا کہ وہ جس سے وعدہ کر لیتے، اس کو صد فیصد نبھاتے تھے، اور اس میں کوئی ٹال مٹول نہ کرتے، گویا کہ وہ ان کی ہڑک اور ٹینشن بن جاتی، جب تک وہ ضرورت پورا نہ کرتے تو ان کو چین نہ آتا، وہ وعدہ کو وعدہ سمجھتے تھے، وعدہ کی خلاف ورزی کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ آدمی جو کسی سے وعدہ کرتا ہے وہ اللہ ورسول سے وعدہ کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

راقم سے ایک مرتبہ ایک مخیّر نے ایک تعمیری سلسلہ میں وعدہ کیا، جب ان کے سامنے وہ تعمیری منصوبہ پیش کیا گیا تو وہ منکر ہو گئے، یہ بات راقم نے حضرت حافظ صاحب کے گوش گزار کی، حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ان کو یہ کہیں کہ وعدہ اللہ ورسول سے ہوتا ہے، چنانچہ راقم نے ان صاحب سے دوران گفتگو یہی بات عرض کی کہ انسان جب کسی سے وعدہ کرتا ہے، تو وہ اللہ ورسول سے کرتا ہے، یہ بات سن کر وہ صاحب اس وقت تو آگ بگولہ ہو گئے، اور غصے میں کہنے لگے کہ مولانا میں سمجھ رہا ہوں، آپ کیا کہنا

چاہ رہے ہیں، گویا کہ اس وقت ان کو خراب لگا، جوش آیا، مگر اگلے روز ان صاحب نے فون کر کے مجھے بلایا کہ آپ کا کام ہو جائے گا، یعنی انہوں نے وعدہ کی اس اہمیت پر غور کیا ہوگا تو وہ پورا کرنے کیلئے تیار ہوگئے، اس طرح حضرت حافظ صاحب کا بتلایا ہوا فارمولہ کامیاب ہوگیا، اور وہ تعمیری کام مکمل ہوگیا، الحمد للہ علی ذلک۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

حافظ صاحب چونکہ نرم دل تھے، اس لئے ہر ایک سے کہتے کہ میرے لائق کوئی خدمت، پھر جب ان کو کوئی اپنی ضرورت بتلاتا تو وہ وعدہ کر لیتے تھے، مگر چھان پھٹک اور تحقیق اچھی طرح کرتے تھے، بلکہ بال کی کھال نکالتے تھے، اور جب وعدہ کر لیتے تو پھر وہ اس کو خوب نبھاتے تھے؛ لیکن جب لوگ ان کو پریشان کرنے لگے، تو انہوں نے اس کے لئے یہ صیغہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا کہ ''اللہ نصیب کرے''، جس کو یہ کہہ دیا گویا اس کا کام ہوگیا، اور اس کے بعد یہ بھی ان کو چھوڑنا پڑا، پھر ہر ایک سے یہ کہتے تھے کہ ''وعدہ کوئی نہیں'' پھر بھی دیکھتے ہیں، حضرت حافظ صاحب کو اللہ تعالی نے ایسا صاف ستھرا اور سلیم دل عطا کیا تھا کہ ان کے یہاں دھوکہ دہی، جھوٹ فراڈ کی کوئی گنجائش نہیں تھی، بلکہ سچائی ہی سچائی تھی، وہ ہزاروں لوگوں اور دینی اداروں کو فیض پہنچا رہے تھے، اور ان کی مسیحائی کر رہے تھے، آج کل مادیت اور فتنوں کے اس دور میں لوگوں کے پاس وقت نہیں، خاص طور سے طلباء اور اہل دین و ناشرین قرآن وحدیث سے ملنا، ان کو وقت دینا، ان کی دلجوئی کرنا، اور ان کا دکھڑا سننا سب کے بس کی بات نہیں، ممبئی کے ایک بڑے تاجر جو دیندار اور بڑے مخیّر سمجھے جاتے ہیں، اور بڑے اداروں کی مجلس شوری کے رکن بھی ہیں، ان سے ملاقات اور بات کرنے کے لئے جب وقت لینا چاہا تو انہوں نے کہا کہ شڈول ٹائٹ ہے، ملنے کا بھی وقت نہیں، مگر حضرت حافظ صاحب سب کی بات سنتے تھے، سب کو تسلی دیتے تھے اور وقت دیتے تھے اور سب کے دل کا دکھڑا سنتے تھے اور صرف دل کا دکھڑا ہی نہیں سنتے تھے، بلکہ اس کے مداوا کی بھی کوشش کرتے تھے۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

حضرت حافظ صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے شہر میں جو بھی نو وارد عالم جاتا، تو اس کی ضیافت، اس کی دعوت، اس کو کھانا کھلانا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، اور ظہر کی نماز کے بعد اپنے دولت خانہ پر لیکر جاتے تھے، شاید ہی کوئی وقت ایسا ہوتا ہو، جس میں حضرت حافظ صاحب کے دسترخوان پر کوئی نو وارد عالم دین نہ ہوتا ہو، اللہ تعالی نے ان کو ایسا جذبہ وشوق اور ایسا حوصلہ دیا تھا کہ مہمانوں کی ضیافت سے کبھی بھی نہیں گھبراتے تھے، ان کی ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ دکان پر آنے والے گاہک کو بھی وہ پیپسی اور ٹھنڈا پلاتے تھے اور گاہک کی ضرورت پورا کرتے تھے، بلکہ بعض مرتبہ ایسا بھی دیکھا گیا کہ گاہک نے کوئی سامان خریدنا چاہا اور اس نے قیمت معلوم کی، جب اس کو قیمت بتلائی تو وہ لینے پر آمادہ نہ ہوا، تو اس کو کم قیمت پر وہ چیز دے دی، بعض مرتبہ فری میں بھی دیدی، یہ تو عجیب اللہ کا بندہ تھا۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

حافظ صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ انگریزی ملک میں رہنے کے باوجود بہت صاف ستھری اردو بولتے تھے کہ لطف ہی آجاتا تھا، ان کی اس بات کے بھی سبھی معترف تھے کہ وہاں رہتے ہوئے لکھنوی اردو بولتے ہیں، ان کو مطالعہ کا بھی کافی ذوق تھا، ان کو اردو میں مطالعہ کرنے میں مزہ آتا تھا، راقم کی جو بھی کتاب ان کے پاس پہنچتی وہ باقاعدہ مطالعہ کرتے تھے، اور پھر فون پر بتاتے تھے کہ آج کل آپ کی فلاں کتاب کا مطالعہ کر رہا ہوں، اخیر میں انہوں نے راقم کی کتاب ''درد دل'' اپنے مطالعہ میں رکھی، تو فون پر بتلایا کہ واقعی آپ

نے اپنے دل کا درد پیش کیا ہے، وہ اور دوستوں کی طرح راقم کی بھی قدر کرتے تھے، بعض مرتبہ اپنی باتیں پیش کرتے تھے، اور پوچھتے تھے کہ کیا اس سلسلہ میں میری بات صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی خامی یا غلطی ہو، تو فوراً مطلع فرمائیں، راقم موقع کے حساب سے جواب دیتا، جو بات مناسب ہوتی، وہ بتلاتا، ان کے تعلق کی یہ بات بھی شاہد ہے جو ان کے بیٹے مولانا زکریا صاحب نے بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ جب ان کو انتقال سے پہلے زیادہ تکلیف ہوئی، میں ان کو گاڑی میں لیکر ہاسپٹل جارہا تھا، اور ان کو سینے میں تکلیف ہورہی تھی تو کسی کا فون آیا تو اس وقت بھی آپ کا تذکرہ کیا، یعنی ایسے موقع پر جب وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھے تو آپ کا ذکر خیر کررہے تھے، اور اس کے بعد کسی سے کوئی بات نہیں کی، یہاں تک کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

ان کے راقم پر اور ہمارے ادارے پر اتنے زیادہ احسانات ہیں کہ: "لاتعد و لاتحصی" اللہ تعالی ہی حضرت حافظ صاحب کو ان کے حسنات اور احسانات کا بدلہ عطا فرمائے، یہ خصوصیات حافظ صاحب کے اندر ان کے والد محترم کی طرف سے آئیں تھیں، وہ بھی اللہ کے ایسے ہی بندے تھے، پھر ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کے مشوروں اور توجہات کے ساتھ گزرا، اس کے بعد انہوں نے اپنا روحانی تعلق حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی سے کرلیا، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا، جس کے اثرات ان کی زندگی میں اور زندگی کے تمام معمولات میں واضح طور پر نظر آتے تھے، راقم سے حضرت حافظ صاحب کا تعلق ۲۰۰۱ء سے تھا، پھر وہ دومرتبہ راقم کے غریب خانہ پر بھی حاضر ہوئے، پہلی مرتبہ ۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا محمد احمد صالح جی اور اپنے بیٹے مولانا زکریا کیساتھ تشریف لائے، اس کے کئی سال بعد پھر فیملی کیساتھ تشریف لائے، جس میں ان کی اہلیہ اور بیٹے حافظ شعیب بھی تھے، ان کی عنایات اور نوازشیں تو اتنی زیادہ ہیں جو شمار سے باہر ہیں، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی بال بال مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

حضرت حافظ صاحب ایک اصولی آدمی تھے، اصول پسند تھے، معاملہ کی صفائی، گفتگو کی صفائی ان کا مزاج تھا، مگر وہ رحم دل اور نرم دل تھے، وہ ہر بات کو جیسا کہ عرض کیا، سنجیدگی سے لیتے تھے، اس لئے کئی مرتبہ بہت سے ہوشیار لوگوں نے ان کے ساتھ دھوکہ بھی کیا اور وہ چکر میں آکر اچھا خاصا نقصان اٹھا گئے، یہ ان کی طبیعت کی سادگی اور ہر ایک کی بات کو سچ ماننے کی وجہ سے تھا، اتباع سنت ان کا خاص وصف تھا، شریعت کی پابندی ان کی عام صفت تھی، وہ کسی بھی معاملہ میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے، حق گو تھے، اس سلسلہ میں وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، بلکہ جو صحیح ہوتا تھا وہ فوراً اس کو بتلاتے تھے، بعض مرتبہ ان کی حق گوئی سے لوگ ناراض بھی ہوجاتے تھے، مگر ان کے دل میں بغض ونفاق نہیں تھا، اللہ تعالی نے ان کو جو اولاد دی ہے اس میں مولانا زکریا صاحب ان کے سچے خلف الصدق ہیں، اللہ تعالی مولانا زکریا صاحب کو ان کا سچا جانشین بنائے، وہ بھی نیک ہیں، اور حضرت مفتی ابراہیم صالح جی سے بیعت کا تعلق رکھتے ہیں، ان کی نیکی کی بنا پر راقم نے بھی ان کو اجازت وخلافت دی تھی، اللہ تعالی ان کو توفیق دے کہ وہ اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر چلیں، اور وہ تمام خیر کے کام کریں جو ان کے والد گرامی کرتے تھے اور امت کے لئے مفید بنائے۔ ❁❁❁

ڈائری کا ورق

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب خدمت میں حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ کی حاضری

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی

۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۴؍اگست ۱۹۹۸ء بروز منگل حضرت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) دامت برکاتہم نے کل جانے کا ارادہ کرلیا تھا کہ آج عصر بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کا اور قیام رہتا تو اچھا ہوتا، لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، چنانچہ حضرت ایک روز مزید ٹھہرنے کے لئے تیار ہوگئے، پھر گھر تشریف لے گئے، مستورات نے درخواست پیش کی کہ موسم اچھا ہے، دو تین روز ٹھہر جائیں، فرمایا ٹھیک ہے تمہاری وجہ سے اور ٹھہر جاتے ہیں، جمعرات کی شام کو یا پھر جمعہ کی صبح جائیں گے، گھر سے باہر آنے کے لئے اٹھ رہے تھے، کہ اسی وقت تکیہ، رائے پور کے مہمان پہنچے حضرت اچانک انہیں دیکھ کر بڑے مسرور ہوئے، کہا مفتی صاحب آئے ہیں، ہمارے حضرت کی خانقاہ کو آباد کئے ہوئے ہیں، ہم روز مفتی صاحب کیلئے دعا کرتے ہیں، وہ ہم کو برابر یاد رہتے ہیں، ساتھ میں حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کے پوتے بھی جو حافظ صاحب کے مجاز بھی ہیں، قاری مسعود عزیزی بھی ساتھ تھے، حضرت نے فرمایا حافظ صاحب کو ہم روز ایصال ثواب کرتے ہیں، مسعود کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، انہوں نے اس سلسلہ میں بڑی توجہ دلائی، مفتی صاحب سے حضرت نے کہا یہ حضرت کی سوانح رکھی ہوئی ہے، اور مولوی شاہد آئے تھے، وہ مولانا انعام الحسن صاحب کی سوانح پر مقدمہ تحریر کرنے کیلئے دے گئے ہیں، فرمایا: حضرت کی عمر کیا رہی ہوگی؟ مفتی صاحب نے کہا ۹۰/۹۱ سال، فرمایا! حضرت کی تدفین رائے پور ہوئی ہوتی تو بڑے حضرت کی روح کو بھی خوشی ہوتی اور خود ہمارے حضرت کی روح خوش ہوتی، مگر مقدر نہ تھا، مفتی صاحب نے کہا مزار شریف پر حضرت شیخ اور کچھ لوگ مراقب تھے، دیکھا گیا کہ بڑے حضرت کی قبر شق ہوئی اور اسی میں ایک جانب ہمارے حضرت بھی ہیں، حضرت شیخ سے ذکر کیا گیا، حضرت کو مسرت واستعجاب ہوا، اور بھائی الطاف سے شیخ فرمایا کرتے تھے، تمہارے حضرت تو یہیں آرام کررہے ہیں، حضرت مدظلہ نے اس پر کہا، کیا بعید ہے کہ حضرت کو اللہ نے یہیں پہنچا دیا ہو، حضرت مدظلہ بھی یہ سن کر بڑے مسرور ہوئے، بھائی الطاف کا ذکر آیا، حضرت نے فرمایا بھائی الطاف بھی چل بسے، راقم نے کہا وہ حضرت کے مخلص خدام میں تھے اور وقف کررکھا تھا، تکیہ بھی آتے تھے، بندہ سے کہا کرتے تھے کہ یہاں خانقاہ میں جو آیا کریں تہجد میں انہیں ضرور اٹھایا کرو، ذکر بڑے والہانہ انداز اور سوز ومستی میں کرتے تھے، درمیان درمیان اشعار پڑھتے جاتے تھے، جو دل میں تیر کی طرح چبھتے تھے، حضرت مدظلہ کے بڑے معترف وقدرداں تھے، ملنے کیلئے باقاعدہ سفر کیا کرتے تھے، مفتی صاحب نے کہا مولوی عبدالوحید صاحب بھی وفات پاگئے، یہ حضرت کے بھتیجے تھے، بندہ نے ندوہ میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے ساتھ زیارت کی ہے، دیر تک رائے پور کی باتیں ہوتی رہیں، حضرت اپنے ان معزز مہمانوں کی آمد سے بڑے مسرور تھے، مفتی عبدالقیوم صاحب بندہ سے کہنے لگے کہ ہم کو یہاں کچھ دن گزارنے کا جی چاہتا ہے، مگر سنا ہے کہ حضرت تشریف لے جانے والے ہیں، ہم نے عرض کیا ایک دو روز ٹھہریں گے، انشاءاللہ۔

آج آنے والے مہمانوں میں مغربی یوپی کے ہی لوگ تھے، تین عدد مولوی دیوبند سے آئے تھے، مگر وہ ظہر کو ہی واپس ہولئے، وہ اپنے ایک ساتھی کی رابطہ عالم اسلامی میں ملازمت کی سفارش کے طالب تھے، جو پوری نہ ہوسکی، دو پھلت مظفر نگر سے پہنچے، جن میں ایک مولانا کلیم صاحب صدیقی بھی تھے، جو حضرت کے مجاز وخلیفہ بھی ہیں، اور ایک مراد آباد سے پہنچے، اور جناب افتخار فریدی صاحب کا خط ساتھ لائے، جو برسوں سے

صاحب فراش ہیں، ہمارے شارق سلمہ نے حضرت دامت برکاتہم سے اپنی ذاتی ڈائری میں کوئی ایسا جملہ اپنے دست مبارک سے تحریر کرنے کی درخواست کی جو مشعل راہ ہو، حضرت نے مشعل راہ کا لفظ اس کی زبان سے سن کر اسے دو بار دیکھا اور یہ لفظ دہرایا، اور یہ تحریر فرمایا:

قل ربی اللّٰہ ثم استقم

ابوالحسن علی ندوی

تحریر برائے عزیز القدر سید محمد شارق حسینی سلمہ

بخاری شریف کا سبق الحمدللہ جاری ہے، ماموں بلال قرأت کرتے ہیں اور حضرت سماعت، ہم لوگوں کو بھی بیٹھنے کی سعادت ناغہ کے ساتھ حاصل ہوجاتی ہے، آج سعادت حاصل ہوئی، کتاب الاذان چل رہی ہے، ۸۷ر صفحات اب تک ہو چکے ہیں، ماشاءاللہ۔

ہم لوگوں کو بڑا جی چاہ رہا تھا کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہاں کچھ قیام رہ جاتا، الحمدللہ جمعہ تک تو حضرت ٹھہر گئے، جمعہ کو مجلس ذکر ہوتی ہے، چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد حلقہ ذاکرین لگا، بعد میں حضرت نے رائے پور والوں سے کہا یہ سب ہمارے حضرت کا فیض ہے، یا اس جیسی کوئی بات فرمائی، جمعہ کی نماز مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری سے حضرت پڑھوانا چاہتے تھے، مگر انہوں نے اپنا کوئی عذر پیش کیا، آخر ماموں عبداللہ جن کو حضرت کی تاکید ہے کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھایا کریں، نماز پڑھائی، حضرت مدظلہ انہونہ ایک تعزیت اور نماز جنازہ میں شرکت کیلئے تشریف ساڑھے سات بجے لے گئے تھے، لکھنؤ سے یہ اطلاع آئی تھی کہ ۹ر بجے نماز جنازہ ہے، وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ ہوگی، حضرت نے فرمایا ہمارے لئے اتنی دیر رکنا بڑا مشکل ہے، جمعہ کی تیاری بھی کرنی ہے، اور ہم اس حال میں نہیں ہیں کہ زیادہ ٹھہر سکیں، اور فرمانے لگے کہ جو ہم پر رحم کھائے گا، اللہ اسے بڑا اجر دیں گے، آخر حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی، جسے معلوم ہوا شریک ہوگیا، ولی وارث، شریک نہ ہوئے تاکہ وہ جمعہ بعد نماز میں شریک ہوسکیں، یہ نماز جنازہ حکیم محمد افہام اللہ صاحب کی تھی، جو حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے سمدھی اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ کے مجاز وخلیفہ بھی ہیں، مگر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی، شاید صرف ماموں عبداللہ سے بتائی۔

عصر بعد معمول کے مطابق کتاب ’’سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ پڑھی گئی، باب فتح مکہ تھا، جب شیبی خاندان کے عثمان بن طلحہ کلید بردار کا ذکر آیا، تو حضرت نے موجودہ شیبی خاندان کے افراد کا ذکر کیا، اور کعبہ مشرفہ میں اپنے حضرت رائے پوری کے ساتھ داخلہ کا واقعہ سنایا۔

مغرب بعد حضرت گھر گئے، پھر باہر تشریف لائے، رائے پور والوں کے اکرام میں دیر تک اپنے حضرت رائے پوری کا ذکر فرماتے رہے، فرمایا حضرت کے یہاں حقیقت پسندی بہت تھی، اس میں وہ بڑے ممتاز تھے، منشی عتیق احمد صاحب نبیرہ وخلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب، قاری محمد مسعود عزیزی، سید محمد شارق سلمہ، ماموں بلال اور راقم سطور موجود تھا۔

آج جب حضرت گھر تشریف لے گئے تو لوگوں کی خیریت دریافت کی، بتایا گیا کہ امی کی طبیعت خراب ہے، ایک نرسنگ ہوم میں ہیں، حضرت کو بڑی فکر ہوئی، فرمایا کل جانے والوں میں محمود بھی جائیں گے، ہم سے کہا جیسے خیریت معلوم ہو ہم کو بتاؤ، مگر فون کی لائن نہ ملنے کی وجہ سے رابطہ قائم نہ ہوسکا، یہ بات تو رہ گئی کہ حکیم صاحب کے جنازہ میں کون کون گیا، حاجی نثار کی گاڑی پر آگے حضرت مدظلہ، پیچھے مفتی عبدالقیوم صاحب، مولانا نثار الحق صاحب، حاجی عبدالرزاق صاحب تھے، اسداللہ صاحب مہتمم مدرسہ کنڈا کی گاڑی پر ماموں حمزہ، ماموں عبداللہ، ماموں بلال، برادرم معاذ کاندھلوی، مولوی نیاز صاحب وغیرہ تھے، ہم نے بعد میں ولی بھائی کو مبارکباد دی، انہوں نے کہا کہ جب چھوٹے صغیر السن تھے، اسی وقت سے حضرت کی عقیدت ومحبت میں ڈوبے تھے، حضرت کی ایک ایک کتاب پڑھی تھی، اور دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ حضرت سے اس تعلق کو آخرت کے دن بڑا نفع رساں بنائے، اللہ راضی ہو، حضرت اقدس کی خواہش تھی کہ یہ ٹھہرتے مگر یہ لوگ پہلے سے اپنا پروگرام بنا چکے تھے، حضرت مدظلہ کا ولی اللہ صاحب ندوی سے ملاقات کا انداز کیا خوب تھا، معانقہ کیا، پھر دوسری بار دبوچا اور چھوڑا اور فرمایا کہو ’’راس الخیمہ‘‘ اکھاڑ آئے۔

فکر و عمل

چمن سرور کا جل گیا

پروفیسر مولانا محسن عثمانی ندوی

۱۱/مارچ ۲۰۱۷ء کی شام کو سراج اورنگ آبادی کا یہ مصرعہ بہت یاد آیا ''چلی سمت غیب سے ایک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا'' چمن میں بادصرصر چلی؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زندہ قومیں مسائل اور مشکلات سے دوچار ہوتی ہیں، اور انہیں سے ان کی قوت اور زندگی کا اظہار ہوتا ہے، انہیں سے ان کے اندر مدافعانہ قوت کی نشونما ہوتی ہے، جو لوگ سخت سردی یا سخت گرمی کے موسم میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں، ان کی جسمانی قوت مدافعت زیادہ بہتر ہوتی ہے، افراد کی طرح قومیں بھی مخالفت کی آندھیوں کے درمیان رہ کر خود کو زیادہ طاقتور اور ناقابل تسخیر اور حوصلوں سے معمور بنالیتی ہے، ان کیلئے سخت اور جاں گسل حالات قدرت کی طرف سے انعام ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے مکی دور میں بہت سی پریشانیاں برداشت کیں، لیکن مشکلات کے خاردار صحرا میں وہ ثابت قدم رہے، یہی نصیحت اقبال نے کی ہے: ؎

کانپتا ہے دل تیرا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

ہمیں خود احتسابی کی شدید ضرورت ہے، ہم نے ہمالیہ پہاڑ کے برابر غلطیاں کی ہیں، یوپی کے الیکشن میں مسلمانوں کے ووٹر بری طرح تقسیم ہوگئے، جہاں مسلمان تیس یا چالیس فیصد تھے اس تفرقہ اور اختلاف کی وجہ سے وہاں بھی ان کا امیدوار جیت نہیں سکا، کیونکہ ان کے ووٹ تقسیم ہوگئے تھے، یوپی الیکشن کے نتائج نے ملت اسلامیہ کے مستقبل کے بارے میں اندیشے پیدا کردئے ہیں، پرسنل لا کو ختم کرنے کا عہد تو بی جے پی کے منشور میں شامل ہے، ہندو تہذیب کے غلبے کا وہ عہد کر چکی ہے، وہ وقت قریب ہے کہ راجیہ سبھا میں اس کی اکثریت ہوجائے اور اس کے بعد قانون اور دستور کو بدلنا اس کے لئے بہت آسان ہوجائے گا، مسلمانوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جاچکی ہے، دہشت گردی کا ہوا کھڑا کیا گیا ہے، الیکشن کے نتائج اسی فضا کے آئینہ دار ہیں، نہ صرف ہندوستان میں بلکہ امریکہ اور مغربی ممالک میں مسلمانوں کو شرپسند اور دہشت گرد اور سازشی سمجھا جانے لگا ہے، یہ ایک نظریہ ہے جو پروان چڑھ رہا ہے، ڈونالڈ ٹرمپ اور نریندر مودی کی سوچ ایک ہے اور یہ سوچ ہر جگہ قبول عام اختیار کررہی ہے، یوپی کا الیکشن چشم کشا ہے، بہر حال اب تو جو ہونا تھا وہ ہوچکا، اب سب سے پہلے ہمیں اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالی مالک الملک ہے، تمام حکومتوں کا مالک وہی ہے، وہی جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کرتا ہے اور اسے زمین کا وارث بناتا ہے، اور جس سے چاہے اقتدار چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے رسوا کردیتا ہے، اسی کے ہاتھ میں خیر ہے، اقتدار کی کنجی اسی کے ہاتھ میں ہے، مسلمانوں کو اللہ سے خیر و عافیت طلب کرنی چاہئے، اور باطل کے سامنے سرنگوں ہونے سے ہر حال میں پرہیز کرنا چاہئے، یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ کشمکش اور کشاکش کی دنیا میں بقاء انفع کا قانون جاری ہے، قدرت بہتر انتخاب کرتی ہے تاکہ خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا کا انتظام درست ہو، اور جب حکمراں قوم اپنی اہلیت کھودیتی تو پھر وہ معزول کردی جاتی ہے، یہ جو سیاسی انقلاب آتے ہیں اس میں اللہ تعالی کی پوشیدہ مصلحتیں ہوتی ہیں، اگر مسلمانوں کے اندر جوہر قابل پیدا ہوجائے تو ممکن نہیں کہ انہیں عزت واقتدار سے سرفراز نہ کیا جائے، باضابطہ طریقے سے ملک میں ہر سطح پر کوشش ہونی چاہئے کہ ہر مسلمان صالح بھی ہو اور صلاحیت والا یعنی تعلیم یافتہ بھی ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے کردار و اخلاق کی خوشبو سے اسلام کا معطر اشتہار بن جائے۔

مسلمانوں کو بہت زیادہ خوف میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، صرف مثبت اور تعمیری کاموں میں مصروف ہونے کی ضرورت ہے، اگر مسلمان اپنی قومی زندگی اس خطرناک اور نازک موڑ پر یہ عہد کرلیں، وہ اپنے دین کے کسی جزء سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور یہ عہد کرلیں کہ وہ حسن عمل اور کردار واخلاق میں ممتاز بنیں گے، اور اپنی تعلیمی پسماندگی کو دور کریں گے، اور اپنے وقت کو ضائع نہیں کریں گے، وہ برادران وطن سے اور خاص طور پر پسماندہ اور مظلوم طبقات سے مضبوط تعلقات قائم کریں گے، اپنے اندر نافعیت کی صفت پیدا کریں گے، دوسروں کے لئے خیرخواہ اور ہمدرد ثابت ہوں گے، اگر وہ اس ملک میں برادران وطن سے زیادہ فائق، ممتاز اور بااخلاق بن کر رہیں گے تو وہ اس ملک میں بوجھ نہیں ہوں گے اور ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوگا، تعلیم کے میدان میں پیش رفت ہوگی، یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو قیادت مسلمانوں کو سنگھرش کے راستے پر لے جانا چاہتی ہے وہ کم عقل اور غلط اندیش قیادت ہے، اس ملک میں مسلمانوں کو قرآن مجید نے راستہ بتایا ہے ’’برائی اس نیکی سے دفع کرو جو سب سے احسن ہو تب تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس سے تمہاری دشمنی ہے وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گیا‘‘۔

برادران وطن کے ساتھ اور بالخصوص پسماندہ طبقات کے ساتھ مسلمانوں کو گہرے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو اپنے حسن عمل اور تقوی وپرہیزگاری کے اعتبار سے دوسروں سے ممتاز بننا پڑے گا، اسلام پر اور مسلمانوں کی تہذیب اور عائلی قوانین پر جو اعتراضات ہیں اس کا بہت مدلل جواب تیار کرنا ہوگا، انگریزی اور مقامی زبانوں میں اس کے ترجمے کرنے ہوں گے، ان کتابوں کو جج اور وکلاء اور اہل فکر وعلم کے درمیان تقسیم کرنا ہوگا، اسلام کے تعارف کے کام کے ساتھ اور حسن اخلاق اور اعلی کردار کے ساتھ اچھی تعلیم برادران وطن کے دلوں کو مسلمانوں کا شیدائی بنا سکتی ہے، اسوقت مسلمان دلتوں سے بھی زیادہ پسماندہ ہیں، وہ جو کبھی شاہ زمن تھے اور خسروئے اقلیم وطن تھے وہ جاروب کشوں کے درجے تک پہنچ گئے ہیں، سچر کمیٹی کی سفارشات اور رنگ ناتھ مشرا کمیٹی کی رپورٹ سب کے علم میں ہے، ہمیں کمزوریوں کا مداوا خود کرنا ہوگا کہ وہ خود اسلام پر عمل کریں گے، اور اپنے بچوں میں اسلامی غیریت وحمیت پیدا کریں گے، خود روکھی سوکھی کھائیں گے لیکن اپنے بچوں کی تعلیم سے غافل نہیں ہوں گے اور تعلیم میں ممتاز ہونے کے لئے وہ دوسروں سے زیادہ دوگنی محنت کریں گے اور اپنا وقت ضائع نہیں ہونے دیں گے اور تعلیم کے میدان میں اپنا امتیاز قائم کریں گے، خدمت کو اپنا شعار بنائیں گے کیونکہ اسلام میں اسکی تاکید بہت ہے اور یہ دلوں کو فتح کرنیکا ذریعہ ہے، مسلمانوں کے ہر ادارے میں خدمت خلق کا شعبہ قائم ہونا چاہئے۔

ہمیں مستقبل میں ایسی نسل کی ضرورت ہے جو برادران وطن سے ان کی زبان میں ڈائلاگ کرسکے اور جو پورے اعتماد کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوسکتی ہو، ہمیں ایسے سینکڑوں علماء کی ضرورت ہے جو برادران وطن کے مذہب سے، ان کی تہذیب سے، ان کی تاریخ سے اور ان کی نفسیات سے واقف ہوں، اس عظیم کام کے لئے برادران وطن کے مذہب اور ان کی تہذیب کا اور ان کی کتابوں کا عمیق مطالعہ ضروری ہے، اس کام کا شعور عیسائیوں کو ہے لیکن مسلمانوں کو نہیں ہے، عیسائی مسلمانوں میں کام کرنے کیلئے اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے یہاں شعبے قائم ہیں، مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں کو اس کام کی کوئی فکر نہیں ہے، اس اہم کام کا انتظام شروع سے دینی مدارس میں ہونا چاہئے، حیدرآباد سے دہلی تک اور دہلی سے سہارنپور تک اور یوپی سے گجرات تک مدارس کے ذمہ داروں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال رکھی ہیں اور اسلاف نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق جو نصاب بنایا تھا اب بدلے ہوئے حالات میں بھی انہیں اسی پر اصرار ہے اور وہ تبدیلی کے روادار نہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ انتخابات کے ہوش ربا نتائج کے بعد بھی مدارس کے ذمہ داروں کو ہوش آئے گا یا نہیں، کیا انہیں اس بات کی خبر نہیں کہ اس ملک کو اسپین بنانے کے ارادے بھی پائے جاتے ہیں؟ اگر ہم اب بھی نہیں جاگیں گے تو پھر جاگنے کے لئے ہم کو صور اسرافیل کا انتظار کرنا ہوگا۔ ۞

رہنمائے طلبہ

طلبہ تحریک اور ذرائع ابلاغ

انجینئر مصطفیٰ محمد طحان.........ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

ذرائع ابلاغ اور مواصلات کے جدید انقلاب نے طلبہ تحریک کو حقیقی چیلنج پیش کیا ہے، بہت سی جگہوں پر طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والوں کی انتھک کوششوں کے باوجود ذرائع ابلاغ کے استعمال میں کوتاہی ان کوششوں کو بے کار اور ان کے فوائد کو کم کردیتی ہے، اسی وجہ سے طلبہ تحریک کے ذمہ داروں کے لئے داخلی، علاقائی اور عالمی تمام سطحوں پر ذرائع ابلاغ پر توجہ دینا ضروری ہے۔

طلبہ تحریک میں ذرائع ابلاغ کے مقاصد:

۱-طلبہ اور معاشرے میں نئی قدروں اور بلند افکار کو پھیلانا۔

۲-طلبہ تحریکات، طلبہ تحریک کے مقاصد، حالات اور مستقبل کی امیدوں اور منصوبوں کا تعارف۔

۳- طالب علم اور معاشرے میں رہنے والے افراد دونوں کے ثقافی معیار کو بلند کرنا۔

۴-طلبہ تحریک اور اس کے مقاصد، منصوبوں اور مشکلات کے متعلق پھیلائے جانے والے شبہات کی تردید۔

۵- سپر پاور طاقتوں کی جانب سے تیسری دنیا میں آنے والے فکری اور ثقافتی حملوں اور چیلنجز کا مقابلہ۔

۶-طلبہ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں موجود اپنے ساتھیوں کے حالات سے مطلع ہونے، ان کے ساتھ تعلقات رکھنے اور ان کا تعاون کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

ذرائع ابلاغ کا دائرہ کار:

طلبہ تحریک میں ذرائع ابلاغ کے کئی دائرے ہوسکتے ہیں، مدارس، اسکولس، کالجز، یونیورسٹیوں اور ہاسٹلس میں اور ملکی سطح پر پہلا دائرہ کار علاقائی ذرائع ابلاغ کے وسائل ہیں اور اخیر میں عالمی وسائل جن کی کوئی حد نہیں۔

(ا) **علاقائی ذرائع ابلاغ:**

یہ ذرائع ابلاغ کا ایک اہم دائرہ کار ہے، اس میں براہ راست طلبہ کے مسائل، طلبہ تحریک کے منصوبوں اور اس کے مقاصد کو روزانہ پیش کیا جاتا ہے، اس سے طلبہ تحریک میں روزانہ رونما ہونے والے واقعات اور حالات کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرسکتے ہیں، ایک پہلو سے طلبہ تحریک اور اس کے ذمہ داروں کے درمیان براہ راست روابط بنتے ہیں اور دوسرے پہلو سے طلبہ کے ایک دوسرے سے تعلقات بنتے ہیں، علاقائی ذرائع ابلاغ کا کام یا تو طلبہ تحریک کے ادارے مثلاً انجمنیں، تنظیمیں، ملی اور سیاحتی ادارے انجام دیتے ہیں یا اس کے لئے مخصوص ادارے قائم کئے جاتے ہیں، مثلاً انجمن ادباء، صحافتی کمیٹی وغیرہ۔

بلکہ اس طرح کے ذرائع ابلاغ کا کام فرد بغیر ادارے کے بھی کرسکتا ہے، اس کو انفرادی ذرائع ابلاغ کہا جاتا ہے، یہ کام کرنے کا وسیع میدان ہے اور طلبہ تحریک میں یہ کام کثرت سے ہوتا ہے، یونیورسٹی میں عام طور پر ذرائع ابلاغ کے تحریکی افراد پر پابندی نہیں ہوتی، اسی وجہ سے فرد، ادارہ کی طرح کام کرسکتا ہے، وہ اخباری نشریات یا مجلّات یا جداری پرچے (وال میگزین) جاری کرتا ہے، نمائش لگاتا ہے، طلبہ سے خطاب کرتا ہے اور وہ تنہا انفرادی اور اجتماعی طور پر طلبہ سے ملتا ہے، اپنے خیالات پیش کرتا ہے، ان پر بحث کرتا ہے، مسائل اور مشکلات کا تجزیہ کرتا ہے، ان کے حل پیش کرتا ہے، یہ سب کام وہ پوری آزادی اور قید و بند کے بغیر کرتا ہے، انفرادی ذرائع ابلاغ کا رول اس طرح مفید

بنایا جاسکتا ہے کہ طلبہ تحریک کے ذمہ دار پیش کئے جانے والے وسائل کے لئے ذرائع ابلاغ کا تفصیلی منصوبہ بنائیں اور ہر مسئلہ کے لئے مناسب وسائل تیار کریں، پھر کاموں کے دوران افراد کی نگرانی کریں، نتائج کا جائزہ لیں اور ان افراد کی رہنمائی کریں، طلبہ تحریک پر آنے والے دشوار حالات اور اس کے اداروں پر پابندی اور ذرائع ابلاغ کے وسائل کو طلبہ تحریک کی طرف سے استعمال کرنے کی ممانعت کی صورت میں انفرادی ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، ان حالات میں افراد مؤثر اور مفید انداز میں تیزی کے ساتھ کام کر سکتے ہیں، کیونکہ طلبہ برادری میں طلبہ تحریک کے ذرائع ابلاغ کا کام افراد کے ذریعہ انجام دینے پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

طلبہ کی طرف سے انجام دئے جانے والے علاقائی ذرائع ابلاغ کے وسائل حالات اور طلبہ کے ماحول کے اعتبار سے متعدد اور متنوع ہوتے ہیں، اور زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ان میں ترقی ہوتی ہے اور ان کے بہترین استعمال کی صورت میں ہمیشہ مؤثر اور طاقتور رہتے ہیں، ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱- میعادی اور غیر میعادی نشریات۔

۲- طلبہ کی طرف سے جاری ہونے والے مجلّات ورسائل۔

۳- جداری پرچے اور بینرس۔

۴- کتابیں اور پمفلیٹس۔

۵- آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیس۔

۶- راستوں پر اور کلاس روم میں اپنے افکار ونظریات سے متعلق گفتگو۔

۷- کتابوں اور نقشوں کی نمائش اور ثقافتی نمائش۔

۸- ثقافتی اور اعلامی سیمینار، تقریری جلسے اور فنی سمپوزیم۔

۹- یونیورسٹیوں اور ہاسٹلوں کے کھیل میدانوں میں تقریریں اور خطابات۔

۱۰- ذرائع ابلاغ سے متعلق بیداری مہم۔

۱۱- طلبہ کے مظاہرے۔

۱۲- طلبہ کے ہاسٹل، مساجد، ملاقات گاہوں، ہوٹلوں اور کینٹنوں وغیرہ میں اپنے افکار ونظریات سے متعلق گفتگو۔

طلبہ تحریک کے ذمہ داروں پر ذرائع ابلاغ کے ہر مسئلہ کے لئے مناسب وسائل کا بہترین انتخاب کرنا اور ہمیشہ طلبہ تحریک کے نئے حالات کا ساتھ دینے والے نئے وسائل کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۲) ملکی سطح کا ذرائع ابلاغ:

اس پر توجہ دینا ضروری ہے، جس سے طلبہ کی اکثر تحریکات غفلت برتتی ہیں، اسی وجہ سے یہ تحریکات یونیورسٹیوں کے اندر ہی محدود ہوکر رہ جاتی ہیں اور اپنے ملک کے تئیں ضروری کردار انجام نہیں دے پاتی، طلبہ کے ادارے ہی ذرائع ابلاغ اور ملک کے دوسرے کاموں میں قائد کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ان تحریکات کے لئے ملکی سطح کے ذرائع ابلاغ پر مندرجہ ذیل طریقوں سے توجہ دینا ضروری ہے:

۱- علاقائی ذرائع ابلاغ کے وسائل سے رابطہ رکھنا اور ان سے دوستانہ تعلقات بنانا۔

۲- ملکی سطح پر ادبی، لغوی اور صحافتی اداروں وغیرہ سے رابطہ رکھنا۔

۳- ملکی سطح پر طلبہ کی طرف سے پرچے، رسائل یا ریڈیائی یا ٹی وی پروگرام نشر کرنا، جن میں طلبہ کی مشکلات ومسائل اور منصوبوں کو پیش کیا جائے۔

۴- میڈیا اور جرنلزم کی کالجوں میں داخلہ دلانے کے لئے سرگرم طلبہ کی سفارش کی جائے، ان میں داخلہ لینے پر ان کو آمادہ کیا جائے اور ان کا تعاون کیا جائے۔

۵- ملکی ذرائع ابلاغ، صحافت، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں کام کرنے والے افراد سے بہتر تعلقات قائم کئے جائیں۔

(۳) عالمی ذرائع ابلاغ:

یہ ذرائع ابلاغ کی انتہا ہے، اس کی اہمیت کے باوجود بہت سے لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، یا اندرونی مشکلات کی وجہ سے توجہ

نہیں دیتے، لیکن اس میدان پر توجہ دینا مشکل کام نہیں ہے، کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے جس کا کوئی ایک یا ایک سے زائد فضائی چینل نہ ہو، ہر ملک میں عالمی نیوز ایجنسیوں، عالمی ٹیلی ویژن چینلوں کے نمائندے سینکڑوں کی تعداد میں موجود رہتے ہیں اور اب تو انٹرنیٹ کا استعمال اور اس کے ذریعہ دنیا بھر کے لوگوں کے ساتھ رابطہ کرنا بہت ہی آسان ہو گیا ہے، اسی وجہ سے کسی بھی تحریک کا عالمی ذرائع ابلاغ سے غفلت برتنا نا قابل معافی جرم ہے۔

عالمی ذرائع ابلاغ کے اہم وسائل مندرجہ ذیل ہیں :

۱- عالمی نیوز ایجنسیوں سے براہ راست رابطہ اور ان سے بہترین تعلقات کا قیام اور ان کے نمائندوں کے ساتھ رابطہ۔

۲- فضائی چینلوں کا تعاون کرنا، ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا اور ان کے نمائندوں کے ساتھ ہمیشہ رابطہ رکھنا۔

۳- انٹرنیٹ کی دنیا میں داخل ہونا، اس میں بہترین سائنس بنانا، جدید اور مفید چیزوں کو پیش کرنا، دنیا والوں کو طلبہ تحریکات کے افکار، ان کی خبروں، منصوبوں اور اہم کارناموں سے باخبر کرانا، ان کے بارے میں پھیلائے جانے والے شبہات کی تردید کرنا اور دنیا میں پائی جانے والی طلبہ کی دوسری تحریکات کے ساتھ تعلقات قائم کرنا۔

طلبہ کے ذرائع ابلاغ کے لئے عام ھدایات:

۱- ذرائع ابلاغ کا کام منصوبہ بندی کے ساتھ کرنا ضروری ہے، طلبہ تحریک کے ذمہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ میڈیا کمیٹی بنائیں، جو ذرائع ابلاغ کا منصوبہ تیار کرے، جس پر طلبہ تحریک میں لازمی طور پر عمل کیا جائے، اس کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور اس میں تبدیلی کی جاتی رہے۔

۲- طلبہ تحریک کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے میدان میں اختصاص کے اصول کو اپنائے، چند سالوں کی مدت میں طلبہ کے ذرائع ابلاغ کو اپنے زیر نگرانی رکھ کر اس میدان کے متخصصین کی ٹیم تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳- صحافت اور ذرائع ابلاغ کی کالجوں اور اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ میں حصہ لینے والی دوسری کالجوں پر توجہ دینا اور باصلاحیت افراد کی ان کالجوں کی طرف رہنمائی کرنا ضروری ہے۔

۴- میڈیائی نشریات کے شعبے پر توجہ دینا ضروری ہے، جو نشریات چاہے طلبہ کے لئے پیش کی جائیں، یا ملکی یا عالمی ذرائع ابلاغ کے وسائل میں اس کو نشر کیا جائے، اس خطاب کی نوعیت، اسی طرح مطلوبہ مقاصد کی تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے۔

طلبہ کا عالمی ویب سائٹ اور طلبہ انٹرنیٹ پر :

ان دنوں معلومات اور مواصلات کے میدان میں تیز رفتار ترقی ہوئی ہے، آج انٹرنیٹ صرف عیاشی کا ذریعہ اور تفریح کا میدان نہیں رہا، ان دنوں ہر کمپنی اور ادارہ کا کوئی نہ کوئی ویب سائٹ موجود ہے، جس سے ادارے کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے، اس کے اراکین کے درمیان رابطہ رہتا ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے ''اتحاد المنظمات الطلابیۃ'' نے اس میدان کا استعمال جلد ہی شروع کیا ہے، اور طلبہ سے متعلق انٹرنیٹ پر عالمی سطح کا سب سے بڑا سائٹ بنانے کا کام شروع کیا ہے، تاکہ عالمی طلبہ تحریک کے میڈیائی وسائل میں سے ایک وسیلہ، دنیا کے تمام طلبہ کا ایک گھر اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے ہر فرد کے لئے مفید اور قائدانہ سائٹ کی حیثیت ہو جائے۔

طلبہ تحریک ہمیشہ سے پہل کرنے والا اور مستقبل کی بلندیوں کی طرف سبقت کرنے والا کام ہے، آج وہ اس وسیع انٹرنیٹ کی دنیا میں اپنے قدم اس یقین کے ساتھ بڑھا رہی ہے کہ مستقبل میں فائدے حاصل ہوں گے اور بہترین نتائج سامنے آئیں گے، یقینی طور پر یہ طلبہ تحریک اور اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے ترقی کے اقدامات ثابت ہوں گے۔

ویب سائٹ کے مقاصد :

طلبہ کا عالمی ویب سائٹ www.students-online.ws کے

مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:

۱-انجمن اوراس کے علاقائی دفاتر کے ذرائع ابلاغ میں ترقی۔

۲- اتحاد المنظمات الطلابیۃ کی انتظامیہ،مختلف ملکوں اور علاقوں کے دفاتر،طلبہ کے اداروں اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے افراد کے مابین تعلقات استوار کرنا اور اس میں تیزی لانا۔

۳- پوری دنیا میں طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں کے درمیان افکار ونظریات میں یکسانیت پیدا کرنے والی کوششوں میں شریک ہونا۔

۴- انجمن کی انتظامیہ، اس کے علاقائی دفاتر اور پوری دنیا کے معلوماتی مراکز کے درمیان معلومات کے تبادلے میں سرگرمی لانا۔

۵- پوری دنیا میں طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں اور طلبہ کے لئے مفید ثقافتی مواد پیش کرنا۔

۶-طلبہ کو تدریسی تعاون پیش کرنا۔

سرگرمی کے میدان:

مختلف سرگرمیوں کے ذریعے یہ ویب سائٹ اپنے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے،جس میں آگے چل کر ترقی اور اضافہ کیا جائے گا،ان میں سے اہم میدان مندرجہ ذیل ہیں:

۱-اخبار:اس میں طلبہ تحریک کی عالمی خبریں میعادی شکل میں شائع کی جاتی ہیں۔

۲-اعلانات:اس میں پوری دنیا میں ہونے والی طلبہ کی سرگرمیوں کے اعلانات دئے جاتے ہیں،اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے افراد کو شریک ہونے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

۳- ثقافتی مجلس: اتحاد المنظمات الطلابیہ سے تعاون کرنے والی طلبہ تنظیموں کے ثقافتی منشورات اور تحقیقات کو پیش کیا جاتا ہے۔

۴-طلبہ کی لائبریری: یہ لائبریری طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں اور طلبہ پر توجہ دینے والی مختلف کتابوں پر مشتمل ہوتی ہے،اس سائٹ کو دیکھنے والا لائبریری کی فہرست، ہر کتاب کی فہرست اور بعض کتابوں کے مشمولات کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

۵-صحافتی تحقیقات: طلبہ تحریک اور اس کے مختلف مسائل پر ہونے والی صحافتی تحقیقات کو پیش کرتا ہے۔

۶- ملاقاتیں: مفکرین اور ذمہ داروں کے ساتھ ملاقات کا ٹائم ٹیبل دیا گیا ہے،تاکہ طلبہ کی مشکلات اور رکاوٹوں اور ان کی امیدوں اور منصوبوں کو پیش کیا جائے، یہ ملاقاتیں براہ راست چاٹنگ،نیٹ میٹنگ، ویڈیو کانفرنس یا گفتگو،مختلف زبانوں میں ترجمے کے ساتھ ہوتی ہے۔

۷-مناقشے کی مجلسیں: اس میں شریک ہونے والے ایک دوسرے کے ساتھ یا مجلس کے مہمانوں کے ساتھ طلبہ کے اہم مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

۸-طلبہ کے جوابات دینے والا: یہ شخص طلبہ کے سوالات لیتا ہے اور اس کا صحیح اطمینان بخش جواب دیتا ہے۔

۹- دوستی وتعلقات بنانے کا کالم: اس کے ذریعے طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والے افراد ایک دوسرے کے ساتھ طلبہ تحریک کے اداروں، ذمہ داروں اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والوں کے ساتھ رابطہ رکھ سکتے ہیں۔

۱۰- الکٹرونک تحقیق: کوئی بھی اپنی مطلوبہ معلومات کو اس سائٹ اور دوسرے لنک والے سائٹوں میں تلاش کرسکتا ہے۔

۱۱- دلیل العمل الطلابی: طلبہ تحریک کے مقاصد، اس کے وسائل، پالیسیاں، انتظام، میدان، ادارے، تاریخ اور اس کے علاوہ دوسرے اہم ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۲-تربیت: انتظامی امور کی تربیتی ضرورتوں کے مطابق طلبہ کے لئے تربیتی پروگرام پیش کیا گیا ہے، اس کے ساتھ بعض اہم کورسس کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

۱۳-درسی تعاون: اس میں درسی میدان میں کوئی بھی تعاون حاصل کرنے کے امکانات کو طلبہ کے لئے جمع کیا گیا ہے، مثلاً کتابیں،

کورسس، درسی مشورے، کالجز، یونیورسٹیوں، اساتذہ اور اختصاصی مراکز کے پتے وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

۱۴- دوسرے سائٹس کی طرف رہنمائی: اس سائٹ کو دیکھنے والا انٹرنیٹ کے متعدد مفید سائٹوں میں جاسکتا ہے۔

۱۵- ڈاؤن لوڈ: زائراس سائٹ کے استعمال کے دوران کسی بھی کتاب یا نشریے کی کاپی کر کے اپنے کمپیوٹر میں منتقل کرسکتا ہے، یا اس کی پرنٹ نکال سکتا ہے۔

۱۶- مراسلات:(E-mail) طلبہ ایک دوسرے سے مراسلت کرسکتے ہیں اوراس سائٹ پر اپنا ایڈرس بناسکتے ہیں۔

۱۷- باہمی ملاقات: ایک پہلو سے سائٹ اوراس کے ذمہ داروں کے درمیان اور دوسرے پہلو سے زائرین کے درمیان دائمی رابطہ رہتا ہے، تاکہ مشوروں اور مفید معلومات کا تبادلہ کیا جائے۔

۱۸- تفریحی سائٹ: مختلف مفید اور تفریحی مقابلے، پہیلیاں اور کھیل پائے جاتے ہیں۔

۱۹- تجارتی لائبریری: انجمن اوراس کے علاقائی دفاتر کی مخصوص نشریات، کتابیں آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور پروگرام وغیرہ کے اعلانات کئے جاتے ہیں، اس سائٹ میں زائر کو ان نشریات کے مشمولات اور قیمتیں معلوم کرنا اوران کو حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔

۲۰- تجارتی اشتہارات: اس سائٹ میں اداروں، کمپنیوں اور دوسرے سائٹس اوران کی مصنوعات کے ماہانہ یا سالانہ فیس پر اشتہارات دینے کی بھی سہولت ہے۔

۲۱- اس سائٹ پروزیٹرس کی تعداد معلوم کی جاسکتی ہے۔

۲۲- شرکت کرنے والوں کی فہرست: ہرزائراس سائٹ میں اس طور پر اپنا رجسٹریشن کرسکتا ہے کہ ہرنئی چیز اس کی خدمت میں بوقت ارسال کیا جائے۔

سائٹ کو تیار کرنے کے تین مراحل ہوتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ اتنا بڑا سائٹ ایک ہی مرحلے میں بنایا نہیں جاسکتا، اسی لئے اس کام کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱- ابتدائی مرحلہ:

اس مرحلہ میں کام کی مدت مکمل ایک سال ہے، اس دوران سائٹ کا عمومی ڈھانچہ اوراس کی معلومات کا کلیہ تیار کیا گیا ہے، اوراس کو دوسرے سائٹوں میں معلومات کے کلیوں سے مربوط کیا گیا ہے، پھر اس کے بعد طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں میں اس کا اعلان کیا گیا ہے، تاکہ اس میں وہ لوگ حصہ لیں اور اپنے مشورے پیش کریں، اس مرحلے میں سائٹ کو مضبوط اور پختہ بنانے کا کام مکمل ہوگیا ہے۔

۲- ترقی کا مرحلہ:

اس مرحلے میں بھی تقریبا ایک سال کی مدت لگے گی، اس مدت میں سائٹ کے تمام پہلو مکمل ہوجائیں گے، اس کے معلومات کے کلیے میں توسیع ہوجائے گی، دوسرے اہم سائٹس اور معلوماتی کلیات کی بڑی تعداد ے رابطہ کیا جائے گا، اسی طرح اس مرحلہ میں طلبہ تحریک کے ذمہ داروں سے متعلق تمام امور خدمات، معلومات اور سائٹ کی زیارت کرنے اور رابطہ کرنے کے طریقوں کو ترقی دی جائے گی۔

۳- تکمیلی مرحلہ:

اس میں تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ لگے گا، اس دوران سائٹ کی بنیاد مضبوط کی جائے گی، تاکہ یہ سائٹ طلبہ کے سکینڈری مرحلے سے لیکر یونیورسٹی میں دراسات علیا اور تدریسی عملے تک کے تمام مراحل سے متعلق چیزوں پر مشتمل ہو۔

ان مراحل کے اختتام کے فوراً بعد ہر علاقے اور ملک میں طلبہ کے علاقائی ذرائع ابلاغ کے وسائل اور ذرائع ابلاغ کے عام وسائل، صحافت اور ٹیلی ویژن وغیرہ اوراخیر میں انٹرنیٹ کے دوسرے سائٹس کے تعاون سے طلبہ اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے افراد کے درمیان اس سائٹ کو عام کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر اشتہاری مہم چلائی جائے گی۔

تاریخ کے دامن سے

ترکی - خلافت عثمانیہ کی راہ پر

مولانا محمد نفیس خان ندوی

اگست ۱۸۹۷ء میں سویزرلینڈ میں پہلا عالمی صہیونی اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر تھیوڈر ہرزل (Theodor Herzl) نے "عالمی صہیونی تھری" کی بنیاد رکھی، اس تحریک کے بنیادی واولین مقاصد میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شامل تھی، تھیوڈر ہرزل نے مغربی طاقتوں کی تائید کے بعد خلیفہ عبدالحمید ثانی سے ملاقاتیں کیں اور ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۲ء کے درمیان پانچ مرتبہ خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا، ابتدائی ملاقاتوں میں اس بات کا اظہار کیا کہ اگر سلطنت عثمانیہ یہودی مہاجرین کو پناہ دے تو سلطنت کے ماتحت رہیں گے اور اپنے کاروبار کے ذریعہ بڑی رقم ٹیکس کی مد میں بھی دیں گے، سلطان عبدالحمید نے یورپ میں مظالم سہنے والے یہودی مہاجرین کے سلطنت میں آنے پر آمادگی ظاہر کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان تمام کو کسی ایک جگہ پر نہیں رکھا جائے گا، بلکہ وہ ملک کے مختلف علاقوں میں آباد کئے جائیں گے، تھیوڈر ہرزل کا اصل مقصد یہودیوں کی ایک ایسی بڑی کمپنی کا قیام تھا جو ضرورت پڑنے پر جتنی چاہے زمین خرید سکے تاکہ ان کے خفیہ اداروں کی تکمیل ممکن ہو، چنانچہ اس نے سلطان کی اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس طرح اس کے اور سلطان کے مابین معاہدہ طے نہ ہوسکا۔

ہرزل نے اپنی آخری ملاقات میں سلطان کو خطیر رقم کی پیشکش بھی کی اور کہا "اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین میں ہمیں جگہ دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے، یہ وہ وقت تھا جب سلطنت عثمانیہ بحران کا شکار ہوچکی تھی، مالی حالت خستہ تھی، قرض کا بوجھ بڑھ چکا تھا، خلافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور عالمی سطح پر اس کا وزن گھٹ چکا تھا، ایسی صورت حال میں ایک خطیر رقم کی پیشکش اس کی معاشی صورت حال میں بہتری اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے بڑی اہمیت رکھتی تھی اور سطان کی اولین ترجیحات میں سے ایک سلطنت کی معاشی حالت کو بہتر کرنا بھی تھا، مگر سلطان عبدالحمید نے صہیونیوں کے عزائم بھانپتے ہوئے اس پیشکش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرادیا:

"میں زمین کا ایک فٹ ٹکڑا بھی نہیں بیچ سکتا؛ کیونکہ یہ میری نہیں بلکہ عوام کی ملکیت ہے، میری رعایا نے یہ سلطنت اپنے خون سے حاصل کی ہے، اور خون ہی سے اس کی آبیاری کی ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے اپنے ہاتھ سے جانے دیں، ہم دوبارہ اسے اپنے خون سے ڈھانپ لیں گے، ترکی کی اس گئی گزری حالت میں بھی اس کے خلیفہ نے غیرت اور اسلامی حمیت کا ثبوت دیا، اگر چہ اس کے بعد سے ہی ترک کے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، یہودی لابی نے مسیحی وسائل کا بھرپور استعمال کیا اور اپنی دانستہ میں یورپ کے اس "مرد بیمار" کی آخری سانسیں تک چھین لیں، چنانچہ ۱۹۱۸ء میں پہلی عالمی جنگ کے اختتام نے ترکی کی شکست وریخت پر مہریں ثبت کیں، برطانیہ کی سربراہی میں فاتح قوتیں ترکی کے بڑے حصہ پر قابض ہوگئیں اور پھر فاتح اور مفتوح کے درمیان رسوا کن شرطوں کیساتھ ایک ظالمانہ معاہدہ ہوا جسے "معاہدۂ لوزان" کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ معاہدہ پورے سوسال پر محیط ہے"۔

معاہدۂ لوزان کا انعقاد سوئزرلینڈ کے ایک شہر "لوزان" میں ۲۴ر جولائی ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں اور ترکی کے درمیان طے پایا تھا، اس معاہدہ کی رو سے ترکی کے ہاتھ پاؤں باندھ دئے گئے، اور ترکی اگلے سوسال کے لئے اس معاہدہ پر عمل درآمد کا پابند قرار دیا، معاہدہ کی دفعات اور ان دفعات میں پوشیدہ یورپ کی مسلم دشمنی بھی ملاحظہ ہو:

(۱) اسلامی خلافت ختم کی جائے گی اور اس کی جگہ سیکولر ریاست قائم ہوگی۔

(۲) عثمانی خلیفہ کو ان کے خاندان سمیت ملک بدر کیا جائے گا۔

(۳) خلافت کی تمام مملوکات ضبط کر لی جائیں گی، جن میں سلطان کی ذاتی املاک بھی شامل ہوں گی۔

(۴) ترکی پٹرول کے لئے نہ اپنی سرزمین پر اور نہ ہی کہیں اور ڈرلنگ کر سکے گا، اپنی ضرورت کا سارا پٹرول اسے امپورٹ کرنا ہوگا۔

(۵) باسفورس عالمی سمندر شمار ہوگا اور ترکی یہاں سے گزرنے والے کسی بحری جہاز سے کسی قسم کا کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گا۔

واضح رہے کہ باسفورس کی سمندری کھاڑی بحراسود، بحر مرمرہ اور بحر متوسط کا لنک ہے، اوراس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عالمی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی نہر سویز کے ہم پلہ قرار دی جاتی ہے، اس معاہدہ کے ساتھ ہی ''خلافت عثمانیہ'' کی بساط لپیٹ دی گئی اور افریقہ، ایشیاء اور یورپ تک پھیلی ہوئی عظیم سلطنت بندر بانٹ کا شکار ہوگئی، یورپ کے علاقہ چھین لئے گئے، عراق، اردن اور فلسطین برطانیہ کے کنٹرول میں چلا گیا، شام، لبنان، الجزائر اور لیبیا فرانس کے قبضہ میں آئے، اناطولیہ اور آرمینیا کو ترکی سے کاٹ کر آزاد ملک بنادیا گیا، خلیفہ کی ملک وبیرون ملک جائدادیں ضبط کر کے ملک بدر کردیا گیا، اسی پر بس نہیں خلیفہ کی معزولی کا پروانہ لیکر اسی صہیونی لیڈر ہرزل کو بھیجا گیا جسے خلیفہ نے فلسطین کے مطالبہ پر اپنے دربار سے دھتکار کر نکالا تھا، صہیونیوں کی جانب سے یہ لہراتا ہوا وہ خنجر تھا جو خلافت کی قبا چاک کرتا ہوا فلسطین کے سینے میں اتر گیا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
اپنوں کی سادگی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مبصرین کی نظر میں اسلامی تاریخ کے سانحوں میں سب سے دردناک اور کرب انگیز سانحہ شاید ۱۹۲۳ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا تھا، ترکی میں خلافت قائم تھی، وہ جیسی بھی تھی، مسلمانوں کے اتحاد اوران کی مرکزیت کا عنوان تھی، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان بھی خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر تڑپ اٹھے، متحدہ ہندوستان کی گلیاں اور بازار ''تحریک خلافت'' کے پرہجوم جلسوں اور پرجوش نعروں سے گونج اٹھے، یہ عجیب تاریخی منظر تھا کہ ایک طرف ترک نیشنلزم اور ''قومیت عربیہ'' کا ہتھیار عالم اسلام کے حصہ بخرے کرنے اور خلافت عثمانیہ کو بکھیرنے کیلئے پوری قوت کے ساتھ استعمال کیا جارہا تھا، انہی دنوں جنوبی ایشیاء میں قومی رہنماؤں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم محمد اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ظفرعلی خان اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ جیسے علماء وقائدین وخلافت عثمانیہ کو بچانے کیلئے سرگرم عمل تھے اور وہ برطانوی حکومت سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی مہم روک دینے کا مطالبہ کررہے تھے، اس دور کا یہ نعرہ آج بھی پرانے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہے کہ ''بولی اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دیدو'' اس مہم میں بڑی حد تک گاندھی اور نہرو بھی تحریک خلافت کی حمایت میں تھے اور کھلے بندوں اس کا ساتھ دے رہے تھے، یہ تحریک خلافت برصغیر میں سیاسی تحریکات کی ماں ثابت ہوئی جس کی کوکھ سے آزادی ہند کی سیاسی تحریکات نے جنم لیا۔

بہرحال مذکورہ شرائط پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو ایک نئے ترکی سے متعارف کرایا گیا، اس نئے ترکی کی سیاسی باگ ڈور مغربی ایجنٹ مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہاتھوں میں تھمادی گئی، پھر ساری دنیا نے دیکھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ترکی میں نوجوان ترکوں کا غلبہ شروع ہوگیا، یہیں سے (Yong Turks) کی اصطلاح نکلی، جنہوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم ڈھائے، علماء کا قتل عام کیا، نماز کی ادائیگی اور تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگادی، عربی زبان میں خطبہ، اذان اور نماز بند کردی گئی، مساجد کے اماموں کو پابند کیا گیا کہ وہ ترک زبان میں اذان دیں، نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں، اسلامی لباس اتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا، مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کے ساتھی نوجوان ترکوں نے ترکی میں اسلام کو کچلنے کے لئے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا اس کی مثال

روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ شاید کہیں اور نہ ملے۔

کمال اتاترک نے ترکی کو بچانے کے نام پر یورپ کے مطالبہ پر نہ صرف خلافت سے دستبرداری اختیار کی تھی بلکہ شریعت اسلامیہ اور مذہبی شعائر کو بھی پوری طرح مسخ کر دیا تھا، جس کا تسلسل ۱۹۳۸ء تک قائم رہا، دوسری جنگ عظیم کے بعد عوام کو کچھ جمہوری آزادیاں نصیب ہوئیں، سیاست میں اتاترک کی ری پبلکن پارٹی ہی کے بطن سے ڈیموکریٹک پارٹی نے جنم لیا اور عدنان میندریس کی قیادت میں دو پارٹی نظام اور دستوری حکومت کا یک گونہ آغاز ہوا جس کے نتیجہ میں عوام کو اپنے دینی اور تہذیبی جذبات کے اظہار کا کچھ موقع ملا، دینی شعائر پر جو پابندیاں تھیں وہ کچھ کم ہوئیں، اذان عربی زبان میں بحال ہوئی، قرآن اور دینی کتب سے رجوع بڑھا، دینی مدارس کا احیا اسکول کی شکل میں ہوا، اور اس طرح ترکی نے اپنی اصل شناخت کی طرف مراجعت کے سفر نو کا آغاز کیا۔

اسلامی بیداری کی ان کرنوں کی وجہ سے ترکی کے سیکولر نظام میں دراڑیں پڑنے لگیں اور اسے خطرے کی گھنٹی سمجھتے ہوئے ملک کی سیکولر قوتوں نے (جن کے چار ستون فوج، بیوروکریسی، عدالت اور میڈیا تھے) مغربی اقوام کی مدد سے ترکی کی خود اپنی دینی اور تہذیبی شناخت کے خلاف ایک نئی کشمکش اور تصارم کو فروغ دیا جس نے ملک کے امن وسکون کو غارت کر دیا، عدنان مندریس کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا، ۱۹۲۳ء سے ۱۹۹۷ء تک کے نظریاتی کشمکش کے اس دور میں عدنان مندریس کے چند سالہ شعلے کے علاوہ جن دو شخصیات نے تاریخ کے رخ کو موڑنے کا کام کیا، ان میں سب سے نمایاں بدیع الزماں سعید نورسی اور نجم الدین اربکان ہیں، سعید نورسی نے شروع میں اتاترک کا ساتھ دیا لیکن جب اتاترک نے سیکولرزم اور مغرب کی تقلید کا راستہ اختیار کیا، قومیت کے سیکولر تصور کو قوت کے ذریعہ مسلط کرنے کی کوشش کی اور اسلام کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے کا ایجنڈا شروع کیا تو سعید نورسی نے اسے چیلنج کیا اور قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں؛ لیکن اسلام کی بنیادی دعوت اور پیغام کو زندہ رکھا اور تصوف کے سلسلہ نقشبندی کے فروغ، دینی مدارس کے قیام اور اپنے خطوط اور تحریروں کے ذریعہ اسلام کی شمع کو روشن اور عام آبادی کو دین سے وابستہ رکھنے کی خدمت انجام دی۔

نجم الدین اربکان نے دعوتی اور روحانی کوششوں کو اپنے انداز میں مضبوط اور مستحکم کرنے کے ساتھ دین کے اجتماعی زندگی میں کردار کے احیاء کو اپنا مشن بنایا اور نہایت مشکل حالات میں بڑی حکمت ودانش مندی اور صبر واستقامت کیساتھ ترکی کو اس کی دینی اور تہذیبی شناخت کے احیاء اور امت مسلمہ سے ایک بار پھر جڑ کر طاقت کی نئی قوت کے حصول کے راستے پر ڈالا، اس کے ساتھ انہوں نے ترکی کو مغرب کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی غلامی سے نکال کر خود انحصاری اور ملت اسلامیہ سے دوبارہ جڑنے اور مربوط ہونے کے نئے تاریخی سفر کا آغاز کیا۔

۱۹۹۵ء میں ہونے والے انتخابات میں نجم الدین اربکان کی رفاہ پارٹی نے ملک کے ۲۱ رفیصد ووٹ حاصل کرنے کے لئے اور ایک دوسری جماعت کے ساتھ شراکت میں حکومت قائم کرلی، ترکی کے ایوان نمائندگان نے آپ کو اپنا قائد ایوان منتخب کرلیا، عدنان میندریس شہید کے بعد ترکی کے ایوان اقتدار میں پہلا اسلام پسند مرد جری داخل ہوا، آپ نے ترک عوام کو میعار زندگی بلند کرنے کی خاطر اہم کثیر الجہتی اقدامات کئے، آپ کی معتدل مزاجی اور فراست کا کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے ترک سیاست کا محور سیکولرزم سے اسلام میں تبدیلی کر دیا، ترک فوج کے سیکولر پسندوں کو آپ کی بلکہ دوسرے الفاظ میں اسلامی طرز حکمرانی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کہاں گوارا ہوسکتی تھی، انہوں نے صرف ایک سال بعد ہی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی حکومت ختم کر دی، اس بار آپ کے عملی سیاست میں حصہ لینے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

نجم الدین اربکان کے بعد ترکی کے نظام حکومت میں اسلامی روح پھونکنے کا کارنامہ موجودہ صدر حافظ رجب طیب اردغان نے انجام دیا، ابتدائی دور میں وہ ترکی کے قد آور اسلامی نظریاتی وسیاسی رہنما نجم الدین

اربکان کی ''رفاہ اسلامی پارٹی'' سے وابستہ رہے، انہوں نے بعض عملی مصالح سے ''انصاف اور وکاس پارٹی'' قائم کی، جس کی روح اربکان کی تحریک کا ہی پرتو ہے، اسی تحریک کی بدولت ترکی میں جوہری تبدیلیوں کا دور شروع ہوا، سیکولرزم کے نام پر عوام پر مسلط جبری لادنیت کا حصار ٹوٹا، مذہبی آزادی نے عوام کو روحانی سکون دیا اور دینی شعار واقدار کی بحالی نے اسکولوں، کالجوں، دفتروں اور بازاروں کے ماحول کو نیا رنگ وآہنگ عطا کیا، پہلے وزیراعظم اور پھر صدر کی حیثیت سے جناب رجب طیب اردگان اوران کے پیش روصدر عبداللہ گل کا اس تبدیلی میں اہم کردار رہا، ظاہر ہے ''اسلام فوبیا'' کے عالمی ماحول میں ترکی میں اتاترک کی لادینی وراثت کا سمٹ جانا اور یورپ کے ہی ایک ملک میں پھر سے اسلام کا رنگ ابھر آنا بہت سے ذہنوں میں خار کی طرح چبھتا ہے۔

صدر اردغان نے استنبول کے میئر سے موجودہ منصب صدارت تک طویل سیاسی سفر طے کیا ہے، ترکی کو جو ''یوروپ کا بیمار'' کہلاتا تھا، اقتصادی اعتبار سے مضبوط کیا، ترکی نے تعمیراتی میدان میں کمال کی ترقی کی اور دنیا کی سب سے بڑی تعمیراتی انڈسٹری کھڑی کرلی، زراعت اور باغبانی سے پیداوار اور برآمدات میں ایک دہائی میں تین گناہ سے زیادہ اضافہ ہوا، عوام کی بنیادی ضرورتوں جیسے صحت خدمات، پانی کی دستیابی، سڑک، مواصلات وغیرہ کو وسعت حاصل ہوئی، تعلیم کے شعبہ میں بڑا کام ہوا، اعلی تعلیم کے لئے بڑی تعداد میں بیرونی طلبہ ترکی کا رخ کرنے لگے ہیں، یہ سارے ترقیاتی کام صدر اردغان کی مقبولیت کی بنیاد بنے، جس کا اندازہ ۲۰۱۶ء میں فوجی بغاوت کے وقت ہوگیا تھا، جب عوام جدید اسلحہ سے لیس فوجیوں اوران کے ٹینکوں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے، ان کو آگے نہیں بڑھنے دیا اور دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

طیب اردغان کی مقبولیت کو مغربی طاقتوں نے بہت سنجیدگی سے لیا، کیونکہ اردگان کی اسلام پسندگی نہ صرف سیکولرزم کے لئے خطرہ ہے بلکہ پورے یہودی ومسیحی اقتدار کے لئے بھی ایک چیلنج ہے، اگر ترکی دوبارہ اپنی سابقہ قوت حاصل کرتا ہے اور عثمانی شان وشوکت کے ساتھ وہ عالمی سیاست میں قدم رکھتا ہے تو مغربی طاقتوں کو دوبارہ سرنگوں ہونا پڑسکتا ہے، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردغان اپنی تقاریر میں یہ کہتے کیوں نظر آتے ہیں کہ ۲۰۲۳ء کے بعد ترکی پہلے جیسا نہیں رہے گا، انہوں نے بارہا کہا ہے کہ ۲۰۲۳ء کے بعد ترکی ایک کمزور اور بیمار ملک نہیں رہے گا، بلکہ ایک طاقت ور اور ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے ابھر کر یورپی سازشوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوگا، ہم ترک سرزمین پر اپنی ضرورت کے مطابق تیل اور معدنیات بھی تلاش کریں گے، اور نہر سوئز کی طرح ایک ایسی نہر بھی کھودیں گے جو بحر اسود کو بحر مرمرہ کے ساتھ ملا کر مربوط کرے گی، اس نہر کی کھدائی کے بعد ترکی یہاں سے گزرنے والے ہر بحری جہاز سے ٹکٹ وصول کرے گا، جس سے ترک معیشت مضبوط سے مضبوط تر ہوگی۔

مذکورہ تفصیلات ہی کی روشنی میں یہ کہانی واضح ہوجاتی ہے کہ مغرب کیوں اردگان کا اس قدر سخت دشمن بنا ہوا ہے اور مغرب کے اپنے مفادات کس طرف ہیں؟ اور اردغان کیوں ترکی کے لئے ایک پاورفل منتظم اور صدر چاہتے ہیں؟ طیب اردغان کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ لولا لنگڑا اور کمزور صدر ترکی کے لئے زیادہ جرأت مندی سے اہم ترین فیصلے نہیں کر پائے گا، اور نہ ہی یورپی ممالک کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی اس میں جرأت ہوگی، تجزیہ نگار کے مطابق یہ بات ترکی کے مفاد میں ہے کہ امریکی طرز پر صدارتی اختیارات سے لیس ترک فوج کا کمانڈر انچیف اور قوم کا اعتماد رکھنے والا صدر ہو جو عالمی سطح پر ترکی کو اس کا آبرومندانہ مقام دلا سکے۔

چنانچہ اسی منظر وپس منظر میں ۲۴/ جون اتوار کو ترکی میں سنسنی خیز انتخابات ہوئے، تقریباً چھ کروڑ ترک باشندوں نے اپنے حق رائے دہی کا استعمال کیا، صدارتی عہدے کے لئے ۱۶/ امیدوار میدان میں تھے، ترکی کے انتخابی قوانین کے مطابق اگر کسی بھی امیدوار کو ۵۰/ فیصد سے زائد ووٹ نہیں ملتے تو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے دو امیدواروں کے درمیان دوبارہ الیکشن کرایا جاتا ہے جسے Run off کہا

جاتا ہے، اوراس کے لئے ۸؍جولائی کی تاریخ طے تھی، طیب اردغان کی پوری کوشش تھی کہ انہیں ۵۰؍فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل ہوجائیں تاکہ انہیں ووٹنگ کے دوسرے راونڈ میں نہ جانا پڑے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اردغان کو ۵۳؍فیصد ووٹ حاصل ہوئے جب کہ ان کے حریف محرم انسے کو ۳۱؍ فیصد ووٹ ملے، اس طرح رجب طیب اردغان نے صدارتی الیکشن میں تاریخی کامیابی حاصل کرلی۔

یہ انتخابات اس لحاظ سے بیحد اہم تھے کہ اب ترکی میں صدارتی نظام پر عمل درآمد شروع ہوجائے گا، اس نظام کے تحت انتظامیہ اور مقنّنہ (پارلیمان) کو بالکل علیحدہ کردیا جائے گا اور امریکہ کی طرح وزراء قومی اسمبلی کے رکن نہیں ہوں گے، بلکہ اگر صدر نے کسی رکن قومی اسمبلی کو کابینہ کا رکن نامزد کیا تو اسے وزارت کا حلف اٹھانے سے پہلے پارلیمان کی رکنیت سے استعفیٰ دینا ہوگا، پارلیمنٹ صرف قانون سازی کے فرائض سرانجام دے گی اور تمام انتظامی اختیارات صدر کے پاس ہوں گے، وزیراعظم کا منصب ختم کردیا جائے گا اور صدر اپنی نیابت کے لئے نائب صدر نامزد کریں گے جو پارلیمان کا سربراہ ہوگا۔

ترکی میں نافذ ہونے والے صدارتی نظام کے تجزیہ کے بعد یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آج زمام اقتدار رجب طیب اردغان جیسے دیندار شخص کے سپرد ہے اور امید ہے کہ وہ ان اختیارات کو ترک قوم اور امت مسلمہ کے حق میں مؤثر بنائیں گے، تاہم سیاسی مفکرین کا کہنا ہے کہ ایسا نظام حکومت جس میں کل اختیارات ایک فرد یا اس کے گرد چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آتے ہیں، اس وقت بدترین نظام بن جاتا ہے، جب بدنیتی، کوتاہ اندیشی اور غلط روی راہ پاجائے، موجودہ قانون کے تحت صدر اردغان زیادہ سے زیادہ ۲۰۳۲ء تک برسر اقتدار رہ سکتے ہیں، لیکن کیا لازم ہے ان کے بعد میں آنے والے افراد بھی ملک وملت کے مفاد میں ان اختیارات کو جو صدر محترم نے اپنے لئے حاصل کئے ہیں، اسی زیرکی اور دیانت سے استعمال کرسکیں گے؟ نئے نظام میں وزیراعظم کا منصب ختم ہوجائے گا، وزیروں کا تقرر براہ راست صدر کریں گے، اس لئے وہ صدر کو جواب دہ ہوں گے پارلیمنٹ کو نہیں، جس سے پارلیمنٹ کمزور ہوگی، ایسا نظام جس میں مؤثر نگرانی اور توازن کا میکانزم شامل نہ ہو، ملک ومعاشرے کے لئے خطرہ بن جاتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب بڑی عیار طاقتیں دیگر ممالک کے حکمرانوں اور وسائل کا استعمال اپنے مفاد میں کرنے کی مہارت رکھتی ہیں، یہ صورت عوام میں بے اطمینانی اور ملک میں شورش کو ہوا دے سکتی ہے، اس لئے ہمیں سکہ کے اس دوسرے رخ سے بھی باخبر رہنے کی ضرورت ہے، اور اردغان سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس نظام میں دیر سویر سیکولرزم کی جگہ اسلامیت کو جزلاینفک کے طور پر استعمال کریں گے تاکہ ان کے بعد کوئی ایسا شخص آسانی سے کرسی اقتدار پر قابض نہ ہونے پائے جوان اختیارات کا غلط استعمال کرے اور عالم اسلام ایک بار پھر کمال اتاترک کے عہد اقتدار کو دیکھ کر خون کے آنسو نہ بہائے۔

انتخاب جیت جانے کے بعد طیب اردغان کو بہت سے سنگین چیلنجز کا سامنا ہے، یورپ کے اکثر ممالک کا رویہ ترکی سے معاندانہ ہے، جس کی وجہ سے ان ممالک نے بعض غیر اعلانیہ پابندیاں بھی عائد کررکھی ہیں اور آگے بھی وہ اپنی دشمنیاں ظاہر کرتے رہیں گے، گزشتہ عرصہ سے ترک لیرا شدید دباؤ میں ہے، ادھر چند ماہ کے دوران اس کی قیمت میں ۲۰؍فیصد کمی واقع ہوئی ہے، ترکی کی عراق اور شام سے ملنے والی سرحدوں پر کشیدگی ہے، جس کی وجہ سے انقرہ کے دفاعی اخراجات بہت زیادہ ہیں، اقتصادی ترقی کے لئے اردغان نے طیارہ سازی کی صنعت کے قیام، شمسی توانائی کے فروغ اور دفاعی صنعت کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا ہے، ترک قوم ۵؍سال بعد ۲۰۲۳ء میں اپنی آزادی کا سوسالہ جشن منائے گی، صدر اردغان نے ۲۰۲۳ء میں ملک کی فی کس آمدنی کے لئے ۲۳؍ہزار ڈالر کا ہدف طے کیا ہے، جب کہ اس وقت فی کس آمدنی ۱۱؍ہزار ڈالر کے قریب ہے، گویا وقت کم اور مقالہ سخت۔

❀❀❀

سفرنامہ ہند

۵/۶ رقسط

مغربی یوپی کا ایک یادگار سفر

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی آکسفورڈ، یوکے

حق تو یہ تھا کہ میں حضرت شیخ کے جنازے میں شریک ہوتا، جس میں شرکت کے لئے علماء، مشائخ اور طلبہ ہر طرح سے کھینچے چلے آرہے تھے، اور خلقت کا اس قدر ہجوم تھا کہ سہارنپور میں کسی کے جنازہ میں اتنی بھیڑ نہیں دیکھی گئی، اور ان محبین ومعتقدین کے جلو میں آپ کو یہاں کے ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا، سنت نبویؐ کے اس عاشق کی تدفین کہیں ہو، انشاء اللہ حشر اس کا ساکنان مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ واعلام حدیث کے ساتھ ہی ہوگا: ؎

اس درجہ ہے نسبت تیرے کوچہ کی زمیں سے
ہوں دفن کہیں بھی، اٹھوں گا وہیں سے

افسوس صد افسوس کہ جسے تقدیر نے وفات کے وقت اس کے مقر پہ پہنچا دیا تھا، جنازہ میں شرکت سے محروم رہا، عذر درپیش یہ ہے کہ مجھے آج شام کی فلائٹ سے دلی سے حیدرآباد کے لئے روانہ ہونا تھا، راستہ میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی مدظلہ سے کاندھلہ میں ملاقات طے تھی، لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم سہارنپور سے جلد ہی نکل جائیں، ورنہ بھیڑ زیادہ ہو جانے کی بعد نکلنا مشکل ہوگا، یہ مشورہ مناسب معلوم ہوا، ہم نے اس اسپتال کا رخ کیا، جہاں حضرت شیخ کا انتقال ہوا تھا، اندر جانے پر معلوم ہوا کہ جسد مبارک وہاں سے مدرسہ جا چکا ہے، ہم نے حضرت شیخ کیلئے دعا کی اور وہاں سے نکل پڑے "هـجـرت وطيف خيالها لم يهجر"۔ ؎

چلا اکبرآباد سے جس گھڑی
در و بام پر چشم حسرت پڑی

وكيف مقامي بالمدينة بعد ما قضى وطرامنها جميل بن معمر

ہم نکل پڑے اور تصور میں ہے وہ مظاہر علوم جس میں شیخ یونس نہیں، وہ سہارنپور جس میں اس کا مکین نہیں: ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانہ پہ کیا گزری

مولانا ناظم ندوی کو فون کیا، معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے جنازہ کے لئے مظاہر علوم پہنچ رہے ہیں، مولانا نورالحسن صاحب سے بات کی تو فرمایا کہ وہ بھی کاندھلہ سے نکل رہے ہیں، اس لئے راستہ میں تھانہ بھون میں ملاقات کر لی جائے، ہم نے مولانا مسعود عزیزی صاحب سے درخواست کی کہ وہ سہارنپور میں رک جائیں اور جنازہ میں شرکت کریں، اور ہم ان کے مدرسہ کے استاد قاری ندیم صاحب کی سربراہی میں سہارنپور سے روانہ ہوئے، قاری صاحب نے ہمارا بہت خیال رکھا، اور ایک اچھے رفیق سفر ہونے کا ثبوت دیا۔

ہماری کار تھانہ بھون کی طرف چل رہی تھی، اور اس دوران شیخ کے متعلق کثرت سے پیغامات موصول ہوتے رہے، آپ کی وفات کی وجہ سے علم حدیث کی دنیا میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی، راستے میں میری بیٹی سمیہ اور اس کے شوہر ابو الفرہان کا فون آیا، اور اس سانحہ کے مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتے تھے، انگلینڈ کے ہمارے قدیم کرم فرما جناب سلیمان قاضی صاحب کا فون موصول ہوا، اور اس حادثہ فاجعہ پر غم کا اظہار کر رہے تھے، تھوڑی دیر میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے قصبہ نانوتہ سے ہمارا گزر ہوا، اور راستے میں دوسرے تاریخی مقامات سے ہوتے ہوئے گیارہ بجے کے قریب تھانہ بھون پہنچے، ابھی مولانا نورالحسن صاحب کے پہنچنے میں تاخیر تھی، انگلینڈ کے ساتھیوں کی خواہش ہوئی کہ

مولانا تھانوی کے مدفن اور خانقاہ امدادیہ کی زیارت کرلیں:

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے انہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں

ہم مولانا تھانوی کے مزار پر حاضر ہوئے، مزار قصبہ کے کنارے ایک احاطہ کے اندر واقع ہے، یہاں ایک مسجد کی تعمیر بھی ہوگئی ہے، یہ مسجد وہاں پہلے نہیں تھی، ہم نے قبر پر فاتحہ پڑھ کر دعا کی، اور میں ماضی کے ایک تصور لذیذ میں کھوگیا: ؎

میں سن رہا ہوں اسے جو سنائی دیتا نہیں
میں دیکھتا ہوں اسے جو دکھائی دیتا نہیں

میرے ذہنوں میں وہ دور تازہ ہوگیا، جو مولانا تھانوی کی کوششوں سے تقریباً نصف صدی تک تھانہ بھون علماء وصالحین کا قبلہ بنا ہوا تھا، اور یہاں سے اصلاح وتعلیم وتربیت کا وہ عظیم الشان کام ہوا، جس کی نظیر دور دور تک نہیں: ؎

جس کی سانسوں سے مہکتے تھے در و بام تیرے
اے مکاں بول کہاں اب وہ مکیں رہتا ہے

مولانا تھانویؒ کے آخری اور صالح اور مصلح خلیفہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ندوہ میں ہردوئی، الہ آباد، حرمین شریف اور انگلینڈ میں بار بار اور تفصیلی ملاقات رہی ہے، آپ کے مواعظ اور مجالس سے استفادہ بھی کیا، البتہ اجازت لینے کی نوبت نہیں آئی اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا ابرارالحق صاحب کو حضرت تھانوی کی اجازت عامہ حاصل نہیں، انہیں صرف طریقت وتصوف میں خلافت ہے، البتہ مجھے مولانا عبیداللہ امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہورؒ سے اجازت حاصل کرنے کا شرف ہے، وہ شاید مولانا تھانوی کے آخری شاگرد اور مجاز تھے، اب مولانا تھانوی سے روایت کرنے والا کوئی باقی نہیں، اس کے بعد ہم خانقاہ امدادیہ پہنچے، ایک چھوٹا سا سادہ اور پرسکون زاویہ جسے درویش خدامست حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی نگاہ نے بزم رشک جناں بنادیا: ؎

نہ بادہ ہے، نہ صراحی ہے، نہ دور پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزم جانانہ

اللہ تعالی نے ایسی برکت عطا کی کہ آپ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ، صابریہ میں ایک جان پڑ گئی، اور چشتیہ نظامیہ پر اسے وہ برتری حاصل ہوئی جو آج تک قائم ہے: ؎

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کسی نے باغ کو بلبل کے خون نے

رات کی تاریکیوں میں یہاں خالق ارض وسماں کی وہ حمد وثنا ہوتی، یہاں اس جوش وخروش کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا کہ پوری کائنات اس سے ہم آہنگ ہوتی اور فرشتے اس بقعہ نور کو اپنے وجود سے سجادیتے، اس کی دن کی مجلسیں اصلاح باطن وتحسین اخلاق کا کام کرتیں اور رات کی محفلیں زمین کے اس ٹکڑے کو ارم نظیر بنادیتیں، اور ملاء اعلی میں اس کے چرچے ہوتے، غرض یہ زاویہ نفوس قدسیہ اور دلہائے شکستہ کا مرکز بن گیا: ؎

در کوئے ما شکستہ دلے می خرند و بس
بازار خودفروشی ازاں سوئے دیگر است

اس خانقاہ امدادیہ نے ہندوستان کی قسمت دیگر گوں کردی، یہیں علماء کبار حاجی صاحب سے بیعت ہوئے اور بہت جلد آپ کے خلفاء ومنتسبین ہندوستان کے اطراف میں پھیل گئے، مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کے بعد آپ کے سلسلہ کو مزید وسعت حاصل ہوئی، ہندوستان میں آپ کے جانشین برحق مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمہم اللہ تھے، ان دونوں کے بعد تھانہ بھون کی دوکان معرفت ایک بار پھر زندہ وتابندہ ومتحرک ہوگئی: ؎

دریں میداں پر نیرنگ حیراں سست دانائی
کہ یک ہنگامہ آرائے وصد کشور تماشائی

حضرت مولانا تھانویؒ کے پاس جہاں ایک طرف دیوبند اور مظاہر علوم کے علماء حاضر ہوتے وہیں ندوہ سے علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی بھی اپنی پیاس بجھانے پہنچ گئے: ؎

ہم ہوئے، تم ہوئے، کہ میر ہوئے
اسی کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

مولانا تھانویؒ کے انتقال پر سید صاحب نے اپنے پر درد وعالمانہ مضمون کی ابتدا ان زریں لفظوں سے کی:

''محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال ضعف ومرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، یعنی حکیم الامت مجدد طریقت، شیخ الکل مولانا اشرف علی تھانوی نے اس دار فانی کو الوداع کہا، جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ اور تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم آغوش کر دیا تھا''

مولانا عبدالماجد دریابادی نے حکیم الامت لکھ کر مولانا تھانوی کی ان خوبیوں کو بے نقاب کیا، جواب تک پردہ خمول میں پڑی ہوئی تھیں، مولانا کتاب کے دیباچہ طبع اول میں لکھتے ہیں:

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بزرگ کس مرتبہ اور ولی اللہ کس پایہ کے تھے اس کا حال تو وہی بتا سکتا ہے جو خود بھی بزرگ، عارف اور ولی اللہ ہو، اس لئے اگر کسی صاحب نے کتاب کو اس شوق میں کھولا ہے کہ اس میں حضرت کے مرتبہ معرفت وولایت کی تفصیل درج ہوگی یا ان صفحات میں حضرت کے مناقب عرفانی ومدارج روحانی کا بیان ہوگا تو خیر اسی میں ہے کہ آگے وہ ورق گردانی کی زحمت گوارا نہ فرمائیں، اور کتاب کو بے پڑھے بند رہنے دیں، ''حضرت شیخ'' کے کمالات وفضائل اپنی جگہ پر، بہرحال اشرف علی تھانوی نامی ایک انسان بھی تو اسی صدی میں ہوئے ہیں، ان کی عمر کے آخری ۱۵/۱۶/ سال کے زمانے میں اس نامہ سیاہ کو ان سے نیاز حاصل رہا ہے، اور اس نے اپنے تجربے اور سابقہ میں انہیں ایک بہترین انسان پایا، بس ان کی اسی انسانی زندگی کا ہلکا سا عکس ان نقوش وتأثرات کے اندر بند کرنے کی کوشش الٹی سیدھی آپ کو یہاں ملے گی''۔

جس ماحول میں میں نے آنکھیں کھولیں، اس میں ہر طرف مولانا تھانوی کا چرچا تھا، کوئی گھر بمشکل ایسا ہوگا جس میں بہشتی زیور نہ ہو، یہ کتاب بار بار پڑھی اور پڑھ کر گھر والوں اور محلّہ والوں کو سنائی، چونکہ ذہن کسی اور نقش سے خالی تھا، یہ کتاب نقش اولیں بن گئی، جب نو سال کی عمر میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں جونپور میں فارسی پڑھنی شروع کی اسی وقت مولانا تھانوی کی کتاب ''تعلیم الدین'' ہمارے نصاب میں تھی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا تھانوی کی دوسری کتابوں کے پڑھنے کا موقع ملا، ندوہ کی طالب علمی کا شاید آخری سال تھا کہ میں نے اور برادر مکرم آفتاب عالم ندوی نے رائے بریلی جا کر فجر کی نماز کے بعد تکیہ کی مسجد میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، سلوک وطریقت میں تو کوئی پیش رفت نہیں کی؛ لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے اسی زمانہ میں امام غزالی کی ''کیمیائے سعادت'' اور مولانا تھانوی کی ''تربیت السالک'' پڑھی، کیمیائے سعادت زیادہ پسند نہیں آئی؛ لیکن تربیت السالک نے مولانا تھانوی کی حکیمانہ ومربیانہ مہارت کے نقوش ذہنوں میں مرتسم کر دیئے، اور آج بھی یہ کتاب میرے مطالعہ میں رہتی ہے، شدت تاثیر میں شاید دنیا کی چند کتابوں میں اس کا شمار ہو، مولانا تھانوی کا تذکرہ ہو تو پھر خواجہ عزیز الحسن مجذوب کا ذکر لازمی ہے، خواجہ صاحب نے تین جلدوں میں اشرف السوانح کے نام سے مولانا تھانوی کی سوانح لکھی، یہ کتاب کئی بار پڑھی، خواجہ صاحب مولانا تھانوی کے مرید عاشق تھے، فرماتے ہیں: ؎

پڑ گئی تھی ان پہ بھولے سے نظر
بات اتنی سی؟ قیامت ہوگئی
در پردہ کوئی پردہ نشین دیکھ لیا ہے
اب حور بھی آجائے تو ڈالیں نہ نظر ہم

خواجہ صاحب بڑے پائے کے شاعر تھے، جو رتبہ امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاء کے دربار میں حاصل تھا، وہی مقام خواجہ صاحب کا مولانا تھانوی کے یہاں تھا، کتنے خوبصورت ہیں ان کے یہ اشعار:

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
میکشو ! یہ تو میکشی رندی ہے ، میکشی نہیں
آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں
بیٹھا ہوں میں جھکائے سر نیچی کیے ہوئے نظر
بزم میں سب سہی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں

اور خواجہ صاحب کا یہ شعر تو غضب کا ہے: ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

جب بھی مولانا تھانوی اسے پڑھتے تو کئی بار پڑھتے اور فرماتے کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو خواجہ صاحب کو اس شعر کی نذر میں پیش کرتا۔

ہم لوگ خانقاہ امدادیہ سے نکل کر تھانہ بھون کی شاہراہ عام پر منتظر ہی تھے کہ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لے آئے، اور اس سفر کی ایک دلی آرزو برآئی، اس وقت تحقیقات علمیہ میں برصغیر میں مولانا کا نام سب سے زیادہ معتبر ہے، عصر حاضر میں ہندوستان کے اہم محققین میں شیخ ابوالوفاء افغانی، علامہ عبدالعزیز میمنی، امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، اور ابومحفوظ عبدالکریم معصومی کے نام نمایاں ہیں، مولانا نورالحسن صاحب کاندھلوی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، اور اسی طلائے ناب سے جڑے ہوئے ہیں، آپ کی زندگی بحث وتحقیق، مطبوعات ومخطوطات کی ورق گردانی اور علم وکتب دانی سے عبارت ہے: ؎

شنیدئی نہ کہ بہ آتش نہ سوخت ابراہیم
ببیں کہ شرر وشعلہ می توانم سوخت

سنہ ۲۰۱۳ء میں میں نے کاندھلہ جاکر مولانا سے ملاقات کی، آپ کی لائبریری کے ایک حصہ کی زیارت کی، مولانا نے اتنی خوشدلی، تواضع اور اپنائیت سے میرا استقبال کیا کہ لمحوں میں آپ سے گھل مل گیا، اور ہمارے درمیان تکلّفات وتصنّعات کے سارے پردے اٹھ گئے، مولانا نے اپنی بہت سی تازہ تحقیقات کا خلاصہ پیش فرمایا، دل چاہتا تھا کہ مولانا کی باتیں سنتے رہیں اور مجلس کبھی ختم نہ ہو: ؎

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ وآزادہ معانی میں دقیق

اگر ہمارے درمیان علمی مقام کا عظیم فرق نہ ہوتا تو شاید میں یہ کہنے کی جرأت کرتا کہ یہ مختصر ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی اور مولانا سے عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوگیا، اور اس علمی مجلس سے جذبہ تحقیق وجستجو کو ایک مہمیز ملی: ؎

بہ آشیاں نہ نشینم زلذت پرواز
گہے بہ شاخ گلم، گاہ برلب جویم
من ازیں رنج گراں بنار چہ لذت یابم
کہ بہ اندازہ آں صبر وثباتم دادند

مولانا کاندھلہ کی مشہور علمی وروحانی شخصیت مفتی الٰہی بخش کی اولاد میں سے ہیں، مولانا کے والد حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم عالم باعمل، مرد صالح اور صاحب ارشاد ہیں، اور شاید خاندان شیوخ کاندھلہ میں سب سے زیادہ قابل احترام اور معزز بزرگ ہیں، مولانا افتخار الحسن صاحب کو حدیث الرحمۃ المسلسل بالاولیۃ کا سماع نابینا عالم شیخ سعادت خان دیوبندی سے ہے، جو قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے شاگرد تھے، یہ مسلسل بالاولیۃ کی عالی اور نادر سند ہے، آپ نے سہارنپور میں حضرت مولانا زکریا کاندھلوی اور اس دور کے دوسرے علماء سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں، آپ کی سب سے اونچی روایت شیخ علاؤ الدین پھلتی سے ہے، جو شاید براہ راست مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے شاگرد تھے، میرے علم میں اس

وقت ہندوستان میں کوئی دوسرا عالم نہیں، جو مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیک واسطہ روایت کرتا ہو، میں نے اسی سفر میں کاندھلہ میں آپ کی زیارت کی، آپ سے اجازت لی اور دعائیں لیں۔

تھانہ بھون کی یہ ملاقات مولانا سے میری دوسری ملاقات تھی، سامنے لب سڑک ایک مسجد نظر آئی، مولانا نے مسجد کے اندرونی ہال میں مٹھائیوں، سموسوں، بعض مشروبات اور چائے سے ہماری ضیافت کی، عام طور سے اس طرح کی علمی نشستوں میں میرا معمول نوٹس لینے کا رہا ہے، مگر افسوس کہ اس بار نوٹس نہ لے سکا، یہ نشست تقریباً ایک گھنٹہ کی رہی، اور مختلف علمی موضوعات پر گفتگو رہی، کچھ باتیں مجھے یاد رہیں اور کچھ بھول گئیں، مولانا اس وقت سرسید احمد خان پر ایک محققانہ کتاب تصنیف فرما رہے ہیں، جس میں سرسید سے متعلق اپنے خاندان کی ان دستاویزات کو شامل کر رہے ہیں جن کی اب تک کہیں اشاعت نہیں ہوئی ہے، میں نے اس کے بارے میں مولانا سے استفسار کیا، فرمایا کہ اس پر ابھی کام جاری ہے، مولانا کی اہم تصنیفات میں تذکرہ حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی، تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی، تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی اور باقیات فتاویٰ رشیدیہ قابل ذکر ہیں:

کاندھلہ میں آپ کا کتب خانہ اہم علمی کتب پر مشتمل ہونے کے ساتھ نوادر مخطوطات کا ایک قیمتی خزانہ ہے، اس کی تفصیلات مولانا کے ذہن میں محفوظ ہیں، اس میں تقریباً ۱۸/۱۹/ ہزار مطبوعات اور اٹھارہ سو مخطوطات ہیں، اور ہزارہا اخبارات ورسائل ہیں، جن میں سے بعض اخبار ورسائل کی بیس بیس، تیس تیس سال کی فائلیں ہیں، مخطوطات میں سے سب سے پرانہ نسخہ (الاستغناء فی اسماء المعروفین بالغنی لابن عبدالبر) کی تلخیص ہے، جو علامہ محمد بن ابوالفتح البعلی حنبلی کی تصنیف ہے، یہ مخطوط خود مصنف یعنی البعلی کے قلم سے ۶۸۶ہجری کا لکھا ہوا ہے، بخاری شریف کے متعدد نسخے ہیں، جن میں سے ایک نسخہ جو دو جلدوں میں ہے، نہایت عمدہ، نہایت خوبصورت لکھا ہوا ہے، یہ سن

۸۷۲ہجری کا ہے (قضاء الوطر شرح نخبۃ الفکر) تصنیف علامہ ابراہیم اللقانی المالکی مکتوبہ محرم سن ۱۰۹۷ہجری یہ نسخہ شاہ ولی اللہ کے استاد علامہ ابوطاہر کردی کے کتب خانہ میں رہا ہے، اس پر ان کی مہر ثبت ہے، شاید میرے لئے سب سے زیادہ حیرت انگیز خوشی کی بات یہ تھی کہ مولانا کے پاس حافظ ابن حجر عسقلانی کی (ہدی الساری) کا ایک نسخہ موجود ہے، جو اب تک معلوم دنیا میں سب سے قدیم نسخہ ہے، ہدی الساری ۸۱۳ہجری میں تالیف ہوئی، یہ نسخہ محرم ۸۲۰ہجری کا لکھا ہوا ہے، اس کو محمد بن ابی الجاہ حضری نے مدرسہ ناصریہ قاہرہ میں نقل کیا تھا، یہ نسخہ کم سے کم سن ۸۴۴/ہجری تک حافظ ابن حجر کے اپنے مطالعہ میں رہا ہے، اس پر حافظ نے بے شمار اصلاحات وترمیمات واضافات کئے ہیں، اس پر اجازات وسماعات بھی ہیں، مولانا نے اس نسخہ کے تعارف میں معارف دارالمصنّفین میں فروری ۲۰۱۷ء مئی ۲۰۱۷ء میں چار قسطوں میں ایک تفصیلی مضمون شائع کیا ہے، پہلی قسط شمارہ فروری میں ابن حجر کی تحریر اور دوسرے حوالوں کی بنا پر ایک اہم معلومات فراہم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فتح الباری حافظ ابن حجر کی شروحات صحیح بخاری میں سے دوسری کتاب یا اوسط شرح کا نام ہے، حافظ نے اول صحیح بخاری کی ایک مفصل شرح لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہیں ہوئی، دوسری فتح الباری ہے، تیسری فتح الباری کا خلاصہ یا مختصر صحیح بخاری تھی، یہ بھی مکمل نہیں ہوئی مگر دونوں کے نامتمام نسخے دریافت ہیں، بڑی شرح کے ارادے سے صحیح بخاری، مطالب ومقاصد کی تنقیح وترتیب کیلئے حافظ ابن حجر نے ایک بہت مفصل، جامع اور عظیم مقدمہ لکھا تھا، اگرچہ یہ مفصل شرح مکمل ہو کر امت کے ہاتھوں میں نہیں آئی، مگر اس شرح کے لئے جو مقدمہ لکھا گیا تھا وہ ''ہدی الساری'' کے نام سے صحیح بخاری کے نکات ومعضلات حل کرنے میں دنیا بھر کے حدیث طالب علموں کی مدد اور رہنمائی کر رہا ہے''۔ (صفحہ ۸۷)

میں نے اپنی تصنیف ''محدثات'' کے مقدمہ انگریزی کا یہ نسخہ پیش کیا جسے مولانا نے وقیع تعریفی کلمات کے ساتھ قبول کیا، میں نے صحیح مسلم کی شرح کے پروجیکٹ کا بھی تعارف کرایا...... ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۳۰/ پر﴾

غور و فکر

برما کے سیاسی حالات اور روہنگیا کے مسائل

مولانا عبدالستار قاسمی اعظمی، خریج جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ

آج کل برما کے بدلتے حالات اور وہاں کے مسلمانوں کا المیہ خاص طور سے روہنگیا مسلمانوں پر بڑھتے تشدد اور ظلم واستبداد کی یلغار نے عالمی طور پر مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا ہے؛ غالبا ہر باشعور مسلمان برما کے مسلمانوں کے سیاسی اور مظلومانہ احوال سے باخبر ہونا چاہتا ہے، ان شاء اللہ اس چند صفحات میں برما کے بدلتے سیاسی حالات اور مسلمانوں کو ملک گیر پیمانہ پر بنیادی حقوق سے بے دخل کرنے کی سازش اور اس کے اسباب خاص طور سے صوبہ ''ارکان'' میں روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کی پامالی اور ان کی موجودہ صورتحال، ملٹری حکومت اور آوں سان سوچی کے رویہ پر ایک نظر ڈالی جائیگی۔

''برما'' کا محل وقوع:

''برما'' چند ملکوں سے سرحدی طور پر گھرا ہوا ہے؛ شمال شرق میں چین، شمال غرب میں ہندوستان، پوربی طرف لاووس، پچھمی سمت میں بنگلہ دیش، جنوب شرق میں تھائی لینڈ، جنوب غرب میں خلیج بنگال واقع ہے، ان ملکوں میں سب سے لمبی سرحدوں کا سلسلہ چین، تھائی لینڈ، ہندوستان سے جڑا ہوا ہے جس کی کم وبیش لمبائی ہزار کلومیٹر ہے۔

''برما'' کا رقبہ، اسکے صوبے:

''برما'' کا رقبہ ۶۷۶۵۰۰/کلومیٹر مربع؛ جس میں تری کا علاقہ ۲۰۷۶/کلومیٹر مربع اور بقیہ حصہ خشکی پر مشتمل ہے ''برما'' کی لمبائی شمال تا جنوب ۱۸۰۰/کلومیٹر، چوڑائی ۷۰۰/کلومیٹر ہے، اس میں چودہ صوبے ہیں؛ جس میں قابل ذکر صوبہ (راکھین) جو ارکان کے نام سے مشہور ومعروف ہے، یہی وہ علاقہ ہے جس کے باشندے، روہنگیا مسلمان ظلم وبربریت کے شکار ہیں، موجودہ برما حکومت انہیں تسلیم کرنے سے گریز کرتی ہے، بالآخر اس کے اسباب کیا ہیں۔

برما کے مسلمانوں کی مجموعی حیثیت اور ان کی شہریت کا بڑا المیہ:

برما کی مجموعی آبادی پانچ کروڑ پچاس لاکھ ہے، جس میں مسلمان کو بڑی اقلیت حاصل ہے، ان کی تعداد تقریبا پچاس لاکھ ہے، اس طور پر مسلم آبادی ۹/تا ۱۰/ فیصد شمار کی جاتی ہے، اس مردم شماری میں باشندگان ارکان، روہنگیائی مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا؛ جب کہ ارکان میں اسلام ہارون رشید کے دور ہی میں پہنچ چکا تھا ۱۴۳۰ء سے ۱۷۸۴ء تک مستقل حکومت تھی، جس پر لگاتار ۴۸/ مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، اس وقت ان کی مجموعی تعداد چالیس لاکھ ہے، چنانچہ برما کے مسلمان ایک کروڑ کے قریب ہیں، ان کا تناسب ۱۸/ سے ۱۹/ فیصد ہے، برما کے مسلمانوں کی حیثیت انتخابی مہم میں بیلنس نما ہے، پورے برما میں ۲۵۰۰/ مسجدیں ہیں، اتنی ہی مساجد صرف برما کے اسٹیٹ (راکھین) میں ہے، ایسے ہی اسلامی مدارس بھی بہت ہیں، ان میں شعبہ عالمیت وفضیلت کی تعلیم اردو زبان میں رکھی گئی ہے، اس لئے ۹۹/ فیصد فضلاء مدارس اردو بآسانی لکھ، پڑھ لتے ہیں، برما مسلمانوں کے مابین ارکانی خواتین کی پردہ نشینی کی مثال دی جاتی تھی، یہ تمام چیزیں برما اور ارکان کے مسلمانوں کی دینی بیداری کا اعلان کر رہی ہے، نیز ان کے معاشی احوال بھی قابل ستائش ہیں، یہ تمام چیزیں ارباب حکومت کو بڑی شاق گزرتی ہیں، جس کے نتیجہ میں عام طور مسلمانان برما کو شب وروز دینی، اخلاقی، معاشی طور پر زدوکوب کیا جانے لگا، تاکہ مسلمان تنگ آ کر برما چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں،

آبادی کا تناسب گھٹتا جائے، خصوصا باشندگان ارکان؛ روہنگیا مسلمانوں کوظلم وستم کا نشانہ بنانا اور بنیادی حقوق سے بے دخل کرنا، ان کی شہریت کو پامال کرنا، اسی سازش کا ایک حصہ ہے، حالانکہ روہنگیا مسلمان کے آباءواجداد اسی علاقہ کے باشندے ہیں، انھیں ماضی کی تاریخ میں مکمل شہریت حاصل تھی، برما کی حکومت کو تشکیل دینے میں ان کا اہم حصہ تھا؛ لیکن برما حکومت نے سیاسی انقلابات کے مابین مسلمانوں کے بنیادی حقوق پر غاصبانہ حملہ کیا، خاص طور سے روہنگیا مسلمان کو شہر بدر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

برما کے سیاسی انقلابات:

روہنگیائی مسلمانوں کے مسائل اور موجودہ صورت حال، برما کے سیاسی انقلابات سے کافی جڑی ہوئی ہے، اس لئے ایک نظر برما کے سیاسی انقلابات پر ڈالی جائے، برطانوی سامراجیت نے جب ہندوستان پر اپنا تسلطانہ پنجہ گاڑ چکی، تو اس وقت ''برما'' بھی ان کی سامراجیت کا شکار ہوا، برطانیہ نے ۱۹۳۷ء میں مستقل برطانوی استعماریت تشکیل دینے کی غرض سے ''برما'' کو ہندوستان کی اپنی برطانوی حکومت سے الگ کر دیا؛ لیکن مسلح افراد جن کی تربیت جاپان میں کی گئی تھی، وہ لوگ برطانوی حکومت سے برسرپیکار رہے، یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں برما آزاد ہوا اور ۱۹۴۸ء میں ''برما'' نئی حکومت کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔

پہلا سیاسی انقلاب:

برطانوی حکومت نے جنرل آوں سان - جو موجودہ سیاسی لیڈر آوں سان سوچی کا باپ تھا - کو حکومت سونپنے کے لئے ایک شرط رکھی کہ اگر تمام اسٹیٹ کے لوگ تحریری طور پر آپ کو حکمراں تسلیم کر لیں تو ہم اس ملک کو آپ کے حوالے کر دیں گے، جنرل آوں سان نے تمام اسٹیٹ والوں کو ملانے کی کوشش کی؛ لیکن ناکام رہا، مایوس ہوکر اگلے روز دوسرے ملک روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے، جنرل آوں سان کے مشیر (وقار علی) نے انہیں ترک وطن سے روکا اور اس بات پر قائل کیا کہ وہ تمام اسٹیٹ والوں کو ملانے کی کوشش کرے گا، اس کیلئے وقار علی نے ایک دن کی مہلت مانگی، بہرحال اس اتحادی مہم میں وہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے، پہلا حکمراں جنرل آوں سان تسلیم کر لیا گیا اس دورحکومت کے مشیر کار ''وقار'' اور ''عبد الرزاق'' جو وزیر تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے بڑے فعال تھے اور ان کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، اس دور میں روہنگیائی مسلمانوں کی شہریت مسلم تھی اور ان کے بنیادی حقوق بھی محفوظ تھے۔

دوسرا سیاسی نقلاب:

چند ماہ گذرے ہوں گے کہ جنرل آوں سان مع مشیران پارلیمنٹ کی ایک بیٹھک میں شریک تھے، اچانک حملہ آوروں کے شدید حملے میں لقمہ اجل بن گئے، اس کے بعد برما کے دوسرے وزیر اعظم اُنو بنائے گئے اس کے مشیر کار ''عبد الرشید'' اور ''او کھیں مولی'' تھے، ان لوگوں نے نئی حکومت کو پارلیمانی ڈیموکریسی کا نام دیا، اس دورحکومت میں ارکان کے محمد قاسم نامی شخص نے کچھ مطالبات منوانے کے لئے حکومت برما سے تعرض کیا، ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ روزانہ ارکانی زبان میں بیس منٹ ریڈیو پر خبریں نشر کی جائے وزیر اعظم انونے ان کے کچھ مطالبات تسلیم بھی کر لئے، چنانچہ روہنگیائی مسلمان اس دورحکومت میں ایک نمبر کے شہری تھے، نیز ارکانی زبان میں ریڈیو کی خبریں مستقل رواں دواں تھی، انونے برمی بک جاری کی جس میں مختلف اقوام کو سراہا گیا، برمی حکومت کا ہمدرد وہمنوا گردانا گیا، ان کی شہریت تسلیم کی گئی، ان اقوام میں روہنگیائی مسلمانوں کا نام بھی تھا، رنگون کی ایک یونیورسیٹی میں روہنگیا طلبہ کا الگ سے سائن بورڈ آویزاں کیا گیا تھا۔

تیسرا سیاسی انقلاب ملٹری حکومت (نیوین):

حکومت بالا کی مدت ابھی دس سال ہی گذری تھی کہ ملٹری پرساسن نے وزیر اعظم انو کا تختہ پلٹ دیا اور اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، ان لوگوں کو چند اقوام اور روہنگیائی طلبہ کی حمایت حاصل تھی، اس حکومت نے برمی ڈائری کو نشر کیا، جس میں برما کی چند قوموں کو سرپرائز دیا، اس کارنامہ میں روہنگیائی طلبہ کا بھی شمار کرایا گیا، ملٹری

حکومت نے چندقوانین وضع کئے،نظام شہریت،قانون تبدیلی نظام، پارلیمانی ممبران،نظام منصب صدر،سرفہرست ہیں۔

نظام شہریت:

شہریت کے حصول کے لئے درخواست دہندگان کو تین نسل کے بعدشہریت فراہم کی جائے۔

قانون تبدیلی نظام:

کسی قانون کوتبدیل کرنے کیلئے ۷۵/ فیصد سے زائد پارلیمانی ممبران کی حمایت حاصل ہو،نظام پارلیمانی ممبران بغیرانتخابات کے ۲۵/ فیصد پارلیمانی سیٹیں ملٹری کے لئے متعین ہوگی، نظام منصب صدرغیرملکی شوہر یابیوی سے منسلک برمی شخص صدر کے منصب پر فائز نہ ہوگا اس دور میں برمی عوام کے ساتھ ملٹری کے ظلم وتشدد روز بروز بڑھتے رہے، خاص طور سے مسلمانوں کے مذہبی اورتجارتی حقوق پر ناروا حملہ کرتے رہے، اس المیہ کا سب سے زیادہ شکارروہنگیائی مسلمان تھے۔

چوتھا سیاسی انقلاب (ملٹری وانتخابی حکمران):

وزیراعظم انو کے بعدملٹری حکومت کا آغاز نیوین کے ہاتھوں عمل میں آیااورایک مدت تک صرف ملٹری حکومت زوروں پرتھی،ساتھ ہی ساتھ ڈیموکریسی حکومت کا مطالبہ چلتا رہا،۱۹۸۸ء میں آوں سان سوچی کی قیادت میں بڑے پیمانہ پر احتجاج کیا گیا جس میں ملک سرکاری وغیرسرکاری تمام افرادشامل تھے؛لیکن یہ احتجاج ناکام رہا، ۱۹۹۰ء میں الیکشن کرایا گیا،جس میں آوں سان سوچی بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی،خاص طورسےصوبہ ارکان کےروہنگیائی مسلمانوں نے آوں سان سوچی کی الیکشنی مہم میں زبردست حمایت کی اور اسے روہنگیائی مسلمانوں کا ۱۰۰/ فیصد ووٹ ملا؛لیکن ملٹری حکومت اقتدار سونپنے کے بجائے نئے قانون سازی کا حیلہ وبہانہ ڈھونڈ کرآوں سان سوچی کوحکومت سے بے دخل کرتے رہے، دوسری طرف آوں سان سوچی کے لئے روہنگیائی مسلمانوں کااتحادانہ تعاون اور سیاسی حمایت، ملٹری حکومت کے لئے خطرہ بن گیا اس لئے موجود حکومت نے ایک نئی برمی ڈائیری جاری کی، اس میں ۱۳۵رقوموں کو برمی عوام میں شامل کیا اوراس فہرست سے روہنگیائی قوم کوخارج کرکے روہنگیائی مسلمانوں کوشہر بدر کرنے کی بے جا کوشش کرنے لگے، نیزان کےاور بدھسٹ قوم کے مابین نفرت کا بیج بویا جانے لگا، ۲۰۱۵ء میں نئے انتخابات کرائے گئے،اس میں بھی آوں سان سوچی کو بھاری اکثریت ملی؛لیکن ملٹری والوں نے خودساختہ قانون عہدہ صدر کےتحت منصب صدارت سےمحروم کرتے رہے، یہاں تک کہ برما کے ماہروکیل عبدالغنی نےحکومتی ادارے میں ایک ایساعہدہ تلاش کرلیا جس کے وہ قانوناً حقدار تھے، چنانچہ وہ مشیرصدر کے منصب پر فائز ہوئے؛لیکن وہ تنفیذی حقوق سےمحروم رہے۔

روہنگیائی مسلمانوں کے ساتھ برما حکومت اور بدھ قوموں کا تشددآمیزرویہ اور اس کے اسباب:

جس وقت''برما''میں اسلام پہنچا، اس وقت سےلیکراب تک برما مسلمانوں کے ساتھ اہل قتدار اور بدھ اقوام کا جارحانہ رویہ مسلسل جاری رہا ہے؛ خاص طور سے روہنگیائی مسلمانوں سے وحشیانہ تشدد اورقتل وغارت گری کی یلغاراپنے حدودکو پارچکی ؛حتی کہ ہرقوم وملت کے لوگ اس بربریت پرآنسوں بہانے پہ مجبور ہوگئے،بے جا حیلہ وبہانہ ڈھونڈکرروہنگیائی مسلمانوں پہ نسل کشی،ملک بدر،اقتصادی تنگی، علم وثقافت سےمحرومی ان کی اراضی واملاک پرغاصبانہ قبضہ،وطنیت کو ضبط کرنا،معصوم بچے، ناتواں عورتیں،لاچارومعذور بوڑھےافرادکوتہہ تیغ کرنا جیسا منصوبہ کھلم کھلا جاری وساری ہے، یہ بات دنیا کی الکٹرانک وپرنٹ میڈیاپر بالکل عیاں ہے،ان کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ ارکان میں مسلمان معدوم ہوجائیں یاافرادی قوت اس قدرکم ہوکہ ان کی انقلابی آوازیں بےحیثیت ہوکررہ جائیں۔

ظلم وبربریت کے چند اسباب ہیں:

(۱) برما میں مسلمانوں کےغلبہ کاخوف:

برمی حکومت کو ماضی کی تاریخ میں انڈونیشیا، ملیشیا، افغانستان کی ہزار سال قبل تاریخی صفحات میں ان جیسے ملکوں میں بدھ قوم اکثریت سے اقلیت میں اس قدر تبدیل ہوگئی کی اپنا وجود کھو بیٹھی اور وہ ممالک، اسلامی اسٹیٹ کا ایک حصہ بن گئے، یہی خطرہ یہاں کی حکومت بھی محسوس کر رہی ہے کہ اگر انہیں ملکی، قومی، اقتصادی، نسلی طور پر نہ کچلا گیا تو مستقبل قریب میں برما بھی مسلم ریاست بن سکتا ہے۔

(۲) مسلمانوں کی انتخابی طاقتیں سیاسی انقلاب کیلئے خطرہ:

اگر مسلمانوں کی تعداد اوران کے معاشی حالات میں اضافہ ہوتا رہا تو الیکشنی مہم میں اقتدار حکومت کا ریموٹ مسلمانوں کے ہاتھ میں آ سکتا ہے، وہ لوگ جس کو چاہیں گے اپنا سیاسی نمائندہ بنالیں گے۔

(۳) بدھ اقوام کا اسلام قبول کرنے کا اندیشہ:

بدھ اقوام اس خطرات کو بہت پہلے ہی محسوس کر رہی تھی کہ اگر مسلمانان برما اپنے اسلامی شعار اور مذہبی شان وشوکت سے زندگی گذاریں گے تو کثیر تعداد میں بدھ قوم اسلام کے آغوش میں آ سکتی ہے چنانچہ بدھ مت سے تعلق رکھنے والا، بدھا بائی نامی بادشاہ نے ۱۷۸۴ء میں ارکان پر حملہ کر کے اس ملک کو "برما" میں شامل کرلیا، اس وقت سے ۱۹۶۲ء تک سیاسی حالات کروٹ لیتے رہے، اسی سال ارکان کے مسلمانوں کو بڑے المیہ سے دوچار ہونا پڑا، جس میں ۳/ لاکھ مسلمانوں کو بنگلہ دیش کی طرف جلاوطن کیا گیا، ۱۹۷۸ء میں ۵/ لاکھ سے زائد روہنگیائی مسلمانوں کو کسمپرسی کے عالم میں ڈھکیل دیا گیا؛ جس میں سے ۴۰/ ہزار بچے، عورتیں، بوڑھے موت کے شکار ہوگئے، ۱۹۸۸ء میں ڈیموگرافی میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے بدھ کالونی کا پلان پاس کیا گیا، جس کی تکمیل کے لئے کم وبیش ڈیڑھ لاکھ روہنگیائی مسلمانوں کو شہر بدر کیا گیا، ۱۹۹۱ء میں تقریباً ۵ رلاکھ مسلمانوں کو بے گھر کر دیا، اس حکومت کی نظر میں ان کا جرم یہ تھا کہ ۱۹۹۰ء میں مسلمانوں نے یک طرفہ ملکی ڈیموکریسی پارٹی کی حمایت کی تھی، برما میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا موجودہ ظلم وتشدد اسی پلاننگ کا نتیجہ ہے، اس سے دوچار ہونے والے زیادہ تر روہنگیائی مسلمان ہیں۔

برما مسلمانوں کی باھمی نصرت وتعاون:

برما مسلمان اپنی حکومت کے تشدد آمیز رویے کے باعث عزم، حوصلہ، جرأت جیسی صفات کے بجائے وہ لوگ خوف وہراس، مایوسی، کمتری کے شکار نظر آتے ہیں، یہ فطری تقاضہ ہے کہ جن کے والدین کو انکی نظروں کے سامنے تہہ تیغ کیا جارہا ہو نیز دینی، اجتمائی، سیاسی گویا ہر پہلو سے ان پر حکومتی دباؤ ہو، سرخرو ہوکر زندگی بسر کرنے والے کے لئے اذیت ناک سزاؤں نے ان میں نفسیاتی طور پر کم ہمتی، احساس کمتری بزدلی پیدا کردی ہے، پھر بھی ان میں باہمی تعاون غمگساری، آپسی خیر خواہی جیسی صفت ودیعت کی گئی ہے جو قابل ستائش، اور سبق آموز ہے، اگر مشاہداتی واقعے ذکر کئے جائیں تو صفحات طویل ہونگے لیکن اگر کوئی لاوارث شخص حالات سے دوچار ہوا تو برما کے لوگ تن من دھن سے لاچارگی کو دور کرنے کی ایسی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے، خاص طور سے یہ لوگ اپنے غریب اور نادار رشتہ داری کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ اس کی غربت مالداری میں بدل جاتی ہے، اسی خوبی نے بفضلہٖ تعالیٰ اس قوم کو زندہ جاوید بنا رکھا ہے، ورنہ ظلم وستم کے پہاڑ ان کا نام ونشان مٹا چکے ہوتے، اس موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وہ حدیث یاد آتی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑی تسلی آمیز تھی "کلا واللّٰہ لایخزیك الله ابدا" پھر اس کی وجہ بیان کی "فانك لتصل الرحم وتكسب المعدوم وتحمل الكل وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق" بلاشبہ صلہ رحمی، ناداروں کی حاجت روائی، مصیبت زدوں کی ہمنوائی، جس قوم میں ہوگی وہ ایک نہ ایک دن سر بلندی کا تاج پہن ہی لے گی۔

خاتمہ:

برما کے کچھ مسلمان، ارکانی مسلمانوں سے کتراتے ہیں؛ بلکہ ان کے حق میں ناروا، اور حقارت آمیز باتیں بھی کرتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ برما کی حکومتی میڈیا نے برما مسلمانوں کے بیچ روہنگیا

مسلمانوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ نفرت پھیلانے کی کوشش کی ہے، جس کے نتیجہ میں بعض برما مسلمان ان کے حق میں منفی پہلو رکھتے ہیں، نیز قومی عصبیت بھی اس نفرت کی آگ میں پٹرول کا کام کرتی ہے، کتنا اچھا ہوتا کہ قومیت وعصبیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کے لئے مثبت قدم اٹھایا جائے۔

عوام کے مابین یہ صدائیں بازگشت کررہی ہے کہ روہنگیائی مسلمانوں میں لادینیت، بداعمالی جیسی وباء پھیلی ہوئی تھی، ان کے ساتھ ہونے والے اندوہناک المیہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے، اس جیسی بھونڈی باتیں کرنا مومن کی شان نہیں ہے کہ کسی قوم یا فرد کو بداعمالی ولادینیت جیسے الفاظ سے متہم کرے بلکہ وہ اپنے گریبان پر نظر رکھتا ہے کہ کس قدر وہ ایمانی جذبہ سے سرشار ہے اور اسلامی تعلیمات سے کتنا مزین ہے، لہٰذا روہنگیائی مسلمانوں پر اس جیسے طعنے کسنا ان کے حق میں ظلم در ظلم ہے، قارئین خود اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہمارا کونسا پلہ بھاری ہے اطاعت الٰہی کا یا معصیت خداوندی کا؟ اللہ تبارک وتعالی نے ہم پر اتنا احسان کیا کہ ہزار حکم عدولی اور نافرمانی کے باوجود عافیت اور رحمت کا معاملہ فرمایا نیز ابتلاء وآزمائش سے محفوظ فرمایا، اور ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ شکر خداوندی بجالانا چاہئے اور ہم تمام مسلمان، روہنگیائی مسلمانوں کو محبت اور شفقت کی نظر سے دیکھیں اور ان کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تبارک وتعالی انہیں آزمائش سے محفوظ فرمائے اور ان کیلئے رحمت وعافیت اور امن وسلامتی مقدر فرمائے، آمین، تمام معلومات برما کے باشندے جوتھائی لینڈ میں مقیم ہیں، ان سے بالمشافہ لی گئی ہے، جس میں سرفہرست کیپٹن محمد علی رنگونی جو کسی زمانہ میں کمانڈر رہ چکے ہیں، اس وقت ان کی عمر نوے سال ہوچکی ہے اور دوسرے شخص امان اللہ ارکانی ہیں، جنہیں تھائی لینڈ کی شہریت دستیاب ہے، نیز مختلف اردو وعربی جرائد واخبار کو مرجع بنایا گیا ہے۔ ❁❁

﴿بقیہ پچھلے صفحہ ۲۵ رکا﴾ اور یہ عرض کیا کہ میرا ارادہ فضائل اعمال کی موضوع اور منکر احادیث کو الگ سے تحقیق کے ساتھ ایک کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ہے، مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو بھی فضائل کی اس کمی کا احساس تھا، اس پر بہت سے لوگوں نے کچھ کام کئے ہیں، جو خاطر خواہ نہیں ہیں، بعض ندویوں نے اس کی تعریب کی؛ لیکن اس میں سے قابل اشکال مواد حذف کردئے، کسی صاحب نے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ سے اس پر تفصیلی کام کرنے کی اجازت طلب کی تھی، تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ کام صرف راشد کرسکتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ اس طرح اس پر کام کرنے کا میرا حق ہے، میں نے عرض کیا حضرت میں کام کرتا ہوں، آپ نظر ثانی کرکے ایک مقدمہ تحریر کردیجئے گا، مولانا نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا، اور اس موضوع پر ابتک جو کام ہوا ہے، اس کی طرف میری توجہ مبذول کی، مجلس کے خاتمے پر مولانا نے سہارنپور کی راہ لی، اور ہم نے دہلی کی، اور میں سوچتا رہا کہ اگر مولانا کے کچھ رفقاء ہوتے تو شاید کام کو بڑھانا آسان ہوتا۔

اور تحقیقی کام ہے ہی تنہا کرنے کا، اور صبر سے کرنے کا:

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے، اور ماتم بال وپر کا ہے

کاش کہ مدارس کے نوجوان فضلا اور ہونہار طلبہ مولانا سے اس تحقیقی ذوق کی تربیت حاصل کرتے، میری خواہش ہے کہ مولانا انگلینڈ تشریف لائیں اور ہم آپ سے اچھی طرح استفادہ کرسکیں، افسوس ہے کہ مدارس اور عام تعلیمی اداروں میں اس وقت علم وتحقیق کا رجحان ماند پڑتا جارہا ہے، مدرسین پر تقریر وخطابت کا رنگ غالب ہے، اہل قلم صحافی بنتے جارہے ہیں، اور سیاست بازی نے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے، ہائے افسوس کہ اخبار ومجلّات بلکہ انٹرنیٹ اور واٹسپ نے علم تحقیق کا خاتمہ کردیا، جو محقق وعالم اٹھتا ہے، اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں، محنت طلبی ناپید ہورہی ہے، اور آرام طلبی کا دور دورہ ہے:

لاتحسب المجدتمرا انت آکله ❁ لن تبلغ المجد حتی تلعق الصبرا
سینہ گرم نداری مطلب صحبت عشق ❁ آتشے نیست چو در مجمر ات، عود مخر

❁❁❁❁

تجزیہ

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ اور مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم

ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی صدر ندوہ اسلامک سینٹر، کناڈا

آج کل مدارس اسلامیہ کے بارے میں عام احساس یہی ہے کہ مدارس دینیہ میں تعلیم پانے والی بڑی تعداد، علوم اسلامیہ اور مقررہ نصابی کتابوں میں مہارت ولیاقت پیدا نہیں کر پاتی، ان کے اندر اعلی استعداد اور اچھی لیاقت نہیں ہوتی، اعلی صلاحیت ولیاقت اور استعداد وقابلیت تو دور کی بات ہے، ادنی مناسبت بھی ان علوم وفنون سے نہیں ہو پاتی، اور کہنے والے تو یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ مدارس دینیہ کی کوکھیں اب بانجھ پن کا شکار ہوگئی ہیں، اس جملہ کو ہم مبالغہ پر محمول کر سکتے ہیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج مدارس دینیہ جو دین کے قلعے ہیں وہاں انتظامیہ اور ارباب اہتمام مدارس سے وابستہ ہونے والوں کی دماغی کیفیت اور فطری لیاقت کا جائزہ لئے بغیر سب کے ساتھ یکساں سلوک کر رہے ہیں، جس کا ناخوشگوار نتیجہ ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ان کے وسائل، قربانیوں اور مجاہدات کا ایک بڑا حصہ ضائع اور بیکار ہو رہا ہے، اس سلسلے میں غور وفکر کر کے ایک مضبوط، مستحکم اور مفید وموثر نصاب اور نظام تعلیم مرتب کرنا اور اس کا خاکہ مرتب کر کے اس کو نافذ کرنا آج وقت کی بڑی ضرورت ہے۔

اس موضوع پر متعدد سمینار اور سینکڑوں ورکشاف ہو چکے ہیں، اکابر اہل علم جن کی مدارس کے موجودہ نصاب تعلیم پر گہری نظر ہے ان کے قیمتی مقالات اور تحریریں اور تجزیے شائع ہو چکے ہیں، ہندوستان میں جن اکابر اہل علم کی نظر مدارس کے نصاب اور وہاں کے نظام تعلیم پر ماضی میں بہت گہری رہی اور اس سلسلے میں ان کے مخصوص آرا اور تجاویز اور تجربات تھے ان میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ سب سے نمایاں تھے۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی جو کہ بلاشبہ مدارس اسلامیہ کے حوالہ سے ''صاحب البیت ادری بما فیہ'' کے مصداق تھے، مولانا کی ایک تحریر اس موضوع پر ہم حرف آخر تو نہیں کہہ سکتے؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اب تک اس سلسلے میں میری نظر سے جو تحریریں گزری ہیں، ان میں سب سے زیادہ مفید اور جامع تحریر اور قیمتی رائے ہے، نیز تسلی بخش حل ہے، ضرورت ہے کہ مدارس کے ذمہ داران اس تسلی بخش حل پر غور کریں اور اس تجویز اور نظام تعلیم پر عمل کر کے مدارس کی افادیت کو دوبالا کریں، اگر اس پر عمل ہو جائے تو مدارس دینیہ سے معاشرے کو باصلاحیت افراد آسانی سے مل سکتے ہیں، مولانا مرحوم کی بیش قیمت اور گراں قدر تحریر ملاحظہ کیجئے، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''اگر ہم ان تنقیدوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو مدارس کے تعلیمی تدریسی طریق کار میں کچھ اصلاحات ناگزیر ہیں، اصولی طور پر ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ایک ہی نصاب تمام طلبہ کو پڑھانا نافع ومفید نہیں ہے، کیونکہ مکمل عربی نصاب کی تدریس کے لائق جو طلبہ مدارس کا رخ کرتے ہیں ان میں بہ مشکل سے فیصد ایسے طلبہ پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کو اساتذہ کی توجہ وعنایت حاصل ہو، تو وہ آج بھی دیدہ ور ہو کر زمانہ کے چیلنج کو قبول کر سکتے ہیں، یہ طلبہ ذہین ہونے کے ساتھ علوم اسلامیہ کی طرف طبعی رجحان رکھتے ہیں، مدارس میں پڑھنا ان کی اپنی پسند وترجیح ہوتی ہے، وہ کسی دباؤ میں آ کر مدرسہ کا رخ نہیں کرتے، اس لئے ارباب مدارس ایسے طلبہ کی دریافت وشناخت کریں، اور ان کو سرمایہ سمجھیں، ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیں، ان کے لئے وسائل علم مہیا کریں، ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، محنت

وجفاکشی کی بھٹی پر تپائیں، کندن بنائیں، ان میں سے مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، خطیب، متکلم، مورخ وسیرت نگار اور علوم اسلامیہ کے ہر فن کے حاذق وماہر پیدا ہوں گے، جو دعوت وعزیمت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیں گے، ملت اسلامیہ ہند کی آبیاری کے لئے ہراول دستہ ثابت ہوں گے اور بحیثیت جماعت تجدیدی کارنامے انجام دیں گے:"لیظهره علی الدین کله" کی عملی تفسیر بنیں گے، طلباء کی دوسری قسم مدارس میں وہ ہے جو ذہین وفطین تو ہے، لیکن مدارس میں پڑھنا ان کا اپنا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ والدین اور سرپرستوں کا دینی ذوق انہیں دین پڑھنے پر مجبور کرتا ہے، اور وہ مدارس کی زندگی دباؤ میں رہ کر گزارتے ہیں، تجزیاتی مطالعہ کے مطابق ایسے طلباء کی تعداد سے فیصد پائی جاتی ہے، ان طلباء کو مدارس کا مکمل نصاب پڑھانا ان کے اوپر بوجھ مسلط کرنا اور ان کے وقت کو ضائع کرنا ہے، ان کے لئے ایک مختصر عربی نصاب چار سالہ تیار کیا جائے، تاکہ کم وقت میں ان طلباء کی فکری تربیت کے ساتھ علوم اسلامیہ سے یک گونہ مناسبت پیدا کی جاسکے، جس سے ان کی آئندہ زندگی پر دین کی چھاپ ہو اور وہ چاہیں تو اپنے طبعی ذوق کے مطابق علوم عصریہ کی تکمیل یونیورسٹیوں میں کرسکیں، یا طبیب وڈاکٹر بن سکیں، البتہ اس طبقہ کے اندر دعوتی روح پھونکی جائے تاکہ معاشرہ کی اصلاح میں اہم رول ادا کرسکے''۔

مدارس کے طلباء کی تیسری بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے، جو نہ ذہین ہوتی ہے اور نہ اس کے اندر علوم حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، معاشی مجبوری، والدین کی خواہش، معاشرہ کے دباؤ میں آکر مدارس کا رخ مقصد سے بے نیاز ہوکر کرتی ہے، اور یہ تعداد سے فیصد تک پہنچ جاتی ہے، ان طلباء کو مدارس کا مکمل نصاب پڑھانا وسائل کا ضائع کرنا اور دینی علوم کے اعتبار کو کم کرنا ہے، کیوں کہ باوجود کوشش کے ان طلباء کا نصابی کتب سمجھنا اور کچھ حاصل کرنا ناممکن ہے، یہ طلباء رعایتی نمبروں سے ترقی کرتے کرتے فارغ ہوجاتے ہیں اور سند فراغت کا استحقاق بغیر حق کے پیدا کر لیتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں علم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو پاتا ہے، لوگ انہیں عالم سمجھ کر ان سے مسائل کا حل چاہتے ہیں، تو یہ دامن بچاتے ہیں یا غلط رہنمائی کرتے ہیں اور بجائے نیک نامی کے بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں، ایسے طلبا کے لئے ہلکا آسان وچست نصاب اردو میں تیار کیا جائے جس میں قرآن کریم کی تصحیح اور حفظ، عام مسائل دین، تاریخ اسلام، حساب، انگریزی اور اردو زبان کی تعلیم کا نظام ہو، مزید مختلف محاضرات کے ذریعہ ان کی فکری تربیت کی جائے، تاکہ یہ علاقائی مکاتب، قصبات اور ان کے مضافات کی مساجد میں موذنی وامامت اور تدریس کے فرائض انجام دے سکیں، نہ ان کا وقت ضائع ہو اور نہ مدارس کے وسائل کا غلط استعمال ہو اور نہ لوگ ان کے بارے میں غلط فہمی کے شکار ہوں، ہمارے علم کے مطابق کہیں کہیں اس طرز کا اردو نصاب شروع بھی ہو چکا ہے، اگر اس طرز تعلیم کو رائج کریں تو ہر سال علماء کی ایک ایسی جماعت، خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو، پیدا ہوگی جو علوم دینیہ میں راسخ، نبوی اخلاق وکردار کی آئینہ دار، حکمت وموعظت کا مثالی نمونہ، امت کے لئے مثل باران رحمت ثابت ہوگی، جو دلوں کو تڑپانے، روحوں کو گرمانے، دماغوں کو علمی تابناکیوں سے منور کرنے میں علماء کبار اور اسلاف کی یاد تازہ کرے گی۔

وفیات

❁ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ندوہ کمپیوٹر سینٹر کے ذمہ دار مولانا عبدالرشید صاحب ندوی کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ حضرت مولانا محمد عمار صاحب الہ آبادی خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ حضرت الحاج حافظ محمد ایوب صاحب کاڑوا جنوبی افریقہ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی بستوی استاذ ''معہد انور'' دیوبند کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے تمام قارئین سے درخواست ہے کہ مذکورہ مرحومین کے علاوہ تمام امت اسلامیہ کے مرحومین کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں۔

دعوت اصلاح

دوسروں کی پریشانی دیکھ کر خوش نہ ہونا چاہئے

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۲۳؍دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعہ مرکز کی جامع مسجد میں نمازیوں کے سامنے ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

کسی مسلمان کی مصیبت پر خوش نہیں ہونا چاہئے :

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث کے اندر ارشاد فرمایا کہ: "لاتظهر الشماتة لاخيك يرحمه الله ويبتليك" اپنے کسی مسلمان بھائی کی پریشانی کو دیکھ کر، اس کی تکلیف کو دیکھ کر، اس کو کسی الجھن میں یا کسی طرح کی ٹینشن میں دیکھ کر خوش نہ ہونا چاہئے، ورنہ اللہ تعالی اس کو ٹھیک کردے گا اور آپ کو اس پریشانی میں مبتلا کردے گا۔

دوسروں کی نعمتوں پر حسد نہیں کرنا چاہئے :

آج ہمارے معاشرہ میں آپس میں اختلافات، آپس میں ایک دوسرے سے دوریاں ہیں، اور ہر ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں تو زندہ رہوں اور یہ مرجائے، یہ آخری درجہ کی سوچ ہوتی ہے، اس کا کاروبار ٹھپ ہوجائے اور میری دوکان چل پڑے، اس کا بزنس بیٹھ جائے، اور میرا کام چل پڑے، گویا کہ دوسرے کے گھر میں خوشی دیکھ کر اس کو خوشی نہیں، اپنی کھیتی کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور دوسرے کی کھیتی ہری بھری دیکھتا ہے تو تکلیف اور اس کو سینہ میں جلن اور کڑھن سی محسوس ہوتی ہے، اگر کسی کے یہاں بہت سارے جانور ہیں، کھیتی کے لئے، دودھ کیلئے، وہ بھی دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے کہ یہ سارے ہی مرجائیں، یہاں تک کہ اس کی مرغیوں کو دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ یہ انڈے ہی نہ دیں، یہ ساری مرجائیں، اسی طرح سے جتنی بھی چیزیں ہیں، سب میں ہر آدمی کی خواہش یہ ہوتی ہے۔

کسی کی مصیبت پر خوش ہونا عقلمندی نہیں ہے:

اگر آپس میں ایک دوسرے سے دوریاں ہیں تو آدمی چاہتا ہے کہ اس کا ایسا ہوجائے، اگر ایسا ہوگیا تو اس کو خوشی ہوتی ہے، تو اس خوشی کے اظہار سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، جیسا کہ کوئی آدمی کسی کی تکلیف کی بات دیکھ کر کہے کہ ارے اس کا تو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا، وہ تھا ہی ایسا، وہ تھا ہی اس لائق، اور اگر معلوم ہوا کہ بھائی وہ فلاں مرگیا، تو کہے کہ بہت اچھا ہوا، وہ مرگیا اس کا تو مرنا ہی اچھا تھا، حالانکہ مرنے والی راہ ہم سب کو اختیار کرنی ہے، کسی کو اس سے فرار نہیں اور کوئی اس سے بچ نہیں سکتا، بھائی اگر آج وہ مرگیا تو کل ہم کو بھی مرنا ہے، تو ایسے راستے پر جس راستے پر ہم کو بھی چلنا ہے، وہ اس راہ پر اگر چلا ہے، اس پر خوش ہونا یہ تو کوئی عقلمندی کی بات نہیں، ہاں کوئی ایسی بات ہوتی مثلاً وہ مرجاتا، یا وہ بیمار ہوجاتا اور آپ ہمیشہ ہمیش دنیا میں رہتے پھر خوش ہونا ایک اچھی بات تھی؛ لیکن معلوم ہوا کہ آپ کو بھی کچھ دنوں کے بعد یہی راہ اختیار کرنی ہے، آج ان کو دفن کیا گیا کل ہماری باری ہے، تو اس چیز سے منع کیا گیا ہے، ایسے ہی اگر کسی کا کچھ نقصان ہوجائے تو اس پر خوشی کا اظہار کرنا کہ بھائی ٹھیک ہوا، اس کے ساتھ ایسا ہونا ہی چاہئے تھا، اگر کوئی آدمی شراب پی کر گاڑی چلاتا تھا اور اس کی گاڑی پلٹ گئی، تو کوئی کہے کہ بہت ٹھیک ہوا، وہ نالائق تھا، بہت تیز چلاتا تھا، اس کا ایسا ہونا ہی چاہئے تھا، یہ سب باتیں اسلام میں منع ہیں۔

ہر ایک مصیبت پر کلمہ استرجاعی پڑھنا چاہئے:

شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مصیبت کے وقت یا کسی پریشانی پر کلمہ استرجاعی پڑھیں "انا لـلّـه وانا اليه راجعون" کسی کو کوئی تکلیف، کسی کو کوئی مصیبت یا کوئی پریشانی لاحق ہو، اس وقت ہر مسلمان کو سن کر یا

جیسے ہی اس کو پتہ چلے تو یہی الفاظ زبان سے کہنے پڑتے ہیں، اور یہی قرآن کا پیغام ہے کہ "الذین اذا اصابتهم مصيبة، قالوا انا لله وانا اليه راجعون" صحیح لوگ ہیں ان کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا کسی کو مصیبت پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے، تو فوراً وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، اور قرآن کریم کے یہ استرجاعی کلمات پڑھتے ہیں: "انا لله وانا اليه راجعون" کہ ہم سب لوگ اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے، وہ ہی ہمارا ملجا، وہی ہمارا ماوی اور وہی ہمارا مستقر اور ٹھکانہ ہے، تو ایسی چیز کیلئے یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ "اناللہ" پڑھنی چاہئے، نہ یہ کہ خوش ہونا چاہئے کہ اس کے ساتھ ایسا ہوگیا۔

آپ بیمار ہوجائیں گے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتظهر الشماتة" شماتت کا اظہار مت کرو، اس کی پریشانی پر اپنی خوشی کا اظہار مت کرو، ورنہ کیا ہوگا؟ اگر وہ بیمار تھا، وہ کسی پریشانی میں مبتلا تھا، اور آپ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تو "فیرحمہ اللہ" اللہ تبارک وتعالی اس پر تو رحم فرمادیں گے، وہ تو ٹھیک ہوجائے گا، آپ بیمار ہوجائیں گے، یا آپ اس مصیبت میں مبتلا ہوجائیں گے، یہ چھوٹی سی حدیث ہے، مگر اتنا بڑا اس کے اندر پیغام ہے، پوری انسانیت کے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے، اور کائنات کے تمام لوگوں کے لئے، اگر اس پر عمل ہوجائے، ہر ایک انسان دوسرے کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھنے لگے اور دوسرے کے برے وقت میں کام آنے لگے تو دنیا کے اندر کوئی بھی نزاع، کوئی بھی اختلاف، کوئی بھی پریشانی نہیں ہوگی، اور جب اس کے برخلاف ہورہا ہے، دوریاں ہورہی ہیں، جھگڑے فسادات ہورہے ہیں تو اس کی بے برکتی ہورہی ہے، اور مسلمان بے وزن اور غیر اہم ہوتے جارہے ہیں۔

آپس کے تمام جھگڑے ختم کرو:

اسی لئے اللہ نے قرآن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: "ولا تنازعوا فتفشلوا، وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين" کہ آپس میں جو تمہاری دوریاں ہیں، ان دوریوں کو ختم کرو، آپس میں تمہارے جو تنازعات، آپس میں تمہارے جو جھگڑے ہیں، ان کو ختم کرو، اس لئے کہ اگر تم نے ان کو ختم نہیں کیا تو تم پھسل جاؤ گے، اور جب کوئی پھسلتا ہے، چاہے کتنا ہی بڑا ہو، وہ بھی چوٹ کھاتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے، "فتفشلوا" پھر تم پھسل جاؤ گے، اور تمہاری ہوائیں کھسک جائیں گی، اور جب ہوائیں کھسک جائیں گی تو بے قیمت ہوکر رہ جاؤ گے اور تم "ہباءً منثورا" ہوجاؤ گے، ایسے پتے ہوجاؤ گے کہ ہوا جدھر چاہے ان کو لیجائے، ان کی کوئی حیثیت اور کوئی ویلو نہیں ہوگی، ایسے جھاگ ہوں گے جو چند لمحوں کے اندر ختم ہوجاتے ہیں، تو اسی لئے "واصبروا" ڈٹے رہو، جمے رہو، اور اللہ تعالی جمے رہنے والوں کے ساتھ، صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتا ہے۔

اخوت ومحبت کا پیغام عام کرو:

یہ پیغام ہے اسلام کا، یہ نزاعات، یہ جھگڑے، یہ آپس کی دوریاں ختم ہونی چاہئیں، آپس میں محبت، اخوت، مساوات اور ایک دوسرے کے ساتھ غمگساری اور ہمدردی کے ساتھ رہنا چاہئے، ہم مسلمان ہیں، آپس میں سب بھائی بھائی ہیں، کسی نہ کسی طریقہ سے ہر ایک سے کوئی رشتہ ہے، ایمان کا رشتہ ہے، اور سب سے بڑھ کر انسانیت کا رشتہ ہے، تو ہر ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کا معاملہ کرے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی لئے دیوار کی اینٹوں کی مانند ھے:

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک بنیاد کی طرح ہے، دیوار کی اینٹوں کی طرح ہے، جیسا کہ بنیاد میں اینٹیں جڑی ہوتی ہیں، سب کو جوڑ کر ایک تعمیر بنتی ہے، سب مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں، دوسری حدیث میں اللہ کے نبی کا ارشاد ہے: "مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى" مومنین کی مثال آپسی رحم

محبت اور لطف وکرم کے حساب سے ایک جسم کی مانند ہے، کہ اگر جسم کے کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچے، تو پورا جسم اس کی حرارت وتکلیف کو محسوس کرتا ہے، مسلمانوں کی حیثیت ایسی ہی ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو تکلیف پہنچتی ہے، تو سب کو تکلیف کا احساس ہوتا ہے، یا ایسے ہی وہ ایک جسم کے مانند ہے کہ جسم کی اگر ایک انگلی کو یا ایک ذرا سے حصہ کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تڑپ اٹھتا ہے، اور آہیں نکلنی شروع ہوجاتی ہیں، ایسے ہی مسلمانوں کو آپس میں ہونا چاہئے، اگر کسی کو مشرق میں کوئی تکلیف ہو تو مغرب والوں کی آہیں نکلنی چاہئیں، شمال میں کسی کو تکلیف ہورہی ہو، کسی کو کوئی پریشانی ہورہی ہو تو جو دوسری طرف رہنے والے ہیں، جنوب والے جو ہیں ان کو وہ تکلیف محسوس ہونی چاہئے، اور ان کی آہ! نکلنی چاہئے، گویا کہ کسی بھی کونہ میں کسی مسلمان کو تکلیف ہورہی ہو، وہ سب مسلمانوں کی تکلیف ہو، اور اس کو دور کرنے کی جو بھی کوشش کی جاسکتی ہو، وہ کرنی چاہئے، یہ جذبہ ہونا چاہئے، مسلمانوں کا یہ شیوہ ہونا چاہئے، جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صالح العشماوی نے اس سلسلہ میں کیا خوب کہا ہے: ؎

اذا اشتكى مسلم في الهند أرقني

وان بكى مسلم في الصين بكاني

اور اخیر میں کہا ہے: ؎

شريعة الله لمت شملنا و بنت

لنا معا لم احسان و ايمان

جب مسلمانوں کی یہ سوچ اور یہ فکر ہوگی، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان پر انعامات ہوں گے، اور جو وعیدیں اس سلسلہ میں ہیں، ان سے ان کیلئے بچنا آسان ہوگا، اور جو بشارتیں ہیں ان کا مستحق ان کو قرار دیا جائے گا، اور وہ ان کو حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کے انعامات حاصل کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کی، ایک دوسرے کے غم کو ایک دوسرے کی تکلیف کو اپنا غم اور اپنی تکلیف سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اهم تصانيف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)
۵- رہنمائے سلوک وطریقت ۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۸- التدخین بین الشرع والطب
۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰/روپئے ۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۲- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
۱۳- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید
۱۶- مقالات ومشاہدات ۱۷- مکتوبات اکابر
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۲۰- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ
۲۱- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
۲۴- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
۲۵- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)
۲۶- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت
۲۷- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری
۲۸- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند
۳۰- امامت کے احکام ومسائل ۳۱- اللہ ورسول کی محبت
۳۲- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۳۳- عقائد اور ارکان اسلام
۳۴- ماں باپ اور اولاد کے حقوق ۳۵- میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
۳۶- القاديانية ثورة على النبوة المحمدية ۳۷- سيرة النبى الأكرم
۳۸- درد دل ۳۹- ساز دل
۴۰- تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوری ۴۱- بزرگان رائے پور
۴۲- Rules of Raising Funds ۴۳- Beliefs and Pillars Of Islam
۴۴- The Laws Pertaining to Imamat
۴۵- The Rights of Perents and children
۴۶- Guidelines for Sulook and Tareeqat
۴۷- Tasawwuf and tha Elders of Deoband
۴۸- Life Sketch of Hadhrat Thanwi
۴۹- A Biogrophy of the Noblest Nabi
۵۰- My Sheikh and Spiritual Guide

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058 - 09719639955

تحقیقات

مناظر اسلام، صاحبِ ''اظہار الحق'' کی

دس اہم کتابیں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمہید:

عیسائیوں نے ہندوستان پر جب اپنا قبضہ جمالیا، تو انہوں نے اپنا پہلا اور سب سے بڑا دشمن اور حریف مسلمانوں کو سمجھا، مسلمانوں سے ان کی عداوت موروثی تھی، صلیبی جنگوں کی ناکامی کا ایک ایسا زخم تھا جو آج تک مندمل نہیں ہوا، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کئی لٹریچر شائع کئے، یہاں تک کہ برصغیر ہندو پاک میں عیسائی مبلغین نے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کیلئے عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی زبان میں خوب کتابیں شائع کیں جو مسیحی عقائد پر مشتمل تھیں، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بڑے پیمانے پر اسلام مخالف لائبریریاں اور دارالمطالعے بھی قائم کئے، جن کے ذریعہ خاموشی کے ساتھ نوجوانوں کو مسیحی عقائد سے باخبر اور مانوس کیا جائے، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے کیرانہ کی سرزمین سے ایک ایسے مرد مجاہد اور درویش صفت انسان کو پیدا کیا جس کو دنیا مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے نام سے جانتی ہے، جس نے عیسائیوں کے خلاف سینہ سپر ہوکر اٹھ کھڑا ہوا اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے ان کو زیر کیا اور ان کا قلع قمع کیا، ان کی رد میں آپ نے جو کتابیں تحریر کیں، وہ درج ذیل سطور میں بیان کی جارہی ہیں۔

اظہار الحق:

یہ کتاب پادری فنڈر کی ''میزان الحق'' کے جواب میں لکھی گئی تھی، جس نے اسلام کے خلاف زہرافشانی کی تھی اور بار بار مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے چیلنج کیا کرتا تھا، چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ہندوستان کے متعدد مناظروں میں جب پادری فنڈر کو شکست فاش دیدی تو فنڈر نے راہ فرار اختیار کرلی، چنانچہ ہندوستان سے فرار اختیار کرنے کے بعد دارالخلافت قسطنطنیہ پہنچ کر یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ وہ زمانہ قیام ہندوستان میں اپنی تصانیف اور مسلمان علماء سے مناظرہ کرنے کے ذریعہ اسلام کو شکست دیکر عیسائیت کا فاتحانہ پرچم بلند کرچکا ہے تو اس وقت کے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خان کو بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کو اس سلسلہ میں شہرت سن کر ان کو قسطنطنیہ بلایا، پادری فنڈر آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی قسطنطنیہ سے بھاگ گیا اور اسے پچھلی شکستوں کے پیش نظر مولانا سے مناظرہ کی ہمت پھر زندگی بھر نہ کرسکا، چنانچہ مولانا کی بڑی پذیرائی ہوئی تو وہیں آپ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''اظہار الحق'' بہت کم مدت میں تصنیف کرکے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی، جیسا کہ درج ذیل سطور میں مذکور ہے:

۱۶/رجب ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں خلیفۃ المسلمین عبدالعزیز خان اور خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم کی تحریک پر قسطنطنیہ میں اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخر ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں ختم ہوئی اور ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی، صدر اعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے عربی سے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا اور ''ابراز الحق'' کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا، نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کئے گئے، جن کو پادریوں نے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا، مصر میں

متعدد بار طبع ہو چکی ہے، مولانا سلیم صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا جس کو چھپنے کی نوبت نہ آئی، مولانا غلام محمد صاحب راندیری نے بڑی محنت وجانفشانی سے گجراتی میں ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ''ٹائمز آف لندن'' نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں تو دنیا میں مذہب عیسائی کی ترقی بند ہو جائے گی'' اس کتاب کا تاریخی نام ''تائید الحق برحمت اللہ'' یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے، ابواب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

باب اول: بیان وتفصیل کتب عہد قدیم وجدید۔

باب دوم: اثبات تحریف انجیل۔

باب سوم: نسخ انجیل۔

باب چہارم: ابطال تثلیث۔

باب پنجم: قرآن کا کلام اللہ ہونا۔

باب ششم: اثبات نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پادریوں کے اعتراضات کی تردید۔ (ماہنامہ ذکر وفکر صفحہ ۴۲ ربابت ستمبر/اکتوبر ۱۹۸۸ء)

ازالۃ الاوھام:

یہ کتاب ۵۶۴ رصفحات پر مشتمل ہے، اس میں ردنصاری کے اکثر مباحث کا مسکت جواب ہے، اس میں پادری فنڈر کی کتاب ''میزان الحق'' میں اعتراضات کے دندان شکن جوابات ہیں، یہ کتاب سید المطابع کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں سید قوام الدین صاحب کے زیر اہتمام فارسی میں ۱۲۶۹ھ میں بڑی تقطیع پر چھپی ہے۔

تاریخ کی کتابوں کی یہ بات درج ہے کہ ''ازالۃ الاوہام'' کی تصنیف کے درمیان حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سخت بیمار ہو گئے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی، اعزہ واقرباء، تلامذہ اور تیمار دار حضرت کی بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدت مرض سے پریشانی تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد رونے لگے، تیمار دار سمجھے کہ حضرت زندگی سے مایوس ہو گئے، رشتہ داروں نے تسلی وتشفی کرنی چاہی، تو آپ نے فرمایا: ''بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں؛ لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی، رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے نوجوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری ہے کہ اگر مرض کی وجہ تالیف ''ازالۃ الاوہام'' ہے، تو وہی باعث شفا ہوگی''۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے فرما کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج وملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں اور فرط مسرت سے یہ آنسو نکل آئے، الحمد للہ اس کے بعد صحت یاب ہو گئے اور ''ازالۃ الاوہام'' کی ترتیب وتالیف کا کام دوبارہ شروع کر دیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔

ازالۃ الشکوک:

یہ کتاب عیسائیوں کے انتالیس سوالوں کا جواب ہے، ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی، اس میں نبوت محمدیؐ اور تحریف بائبل کے مدلل ثبوت ہیں، دونوں جلدیں تقریباً ۱۱۱۶ رصفحات پر مشتمل ہیں، اس کتاب کی سبب تالیف کے متعلق حضرت کیرانویؒ خود اپنے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کتاب کو ۱۲۶۹ھ میں چند وجوہ کی بنا پر لکھنا پڑا، ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کر اور چھ سوال مزید بڑھا کر ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں، جس کی وجہ سے مجھے یہ لکھنا پڑا''۔

حضرت مولانا کے شاگرد رشید شمس العلماء فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوریؒ بانی مدرسہ ''باقیات صالحات'' مدراس نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی،

دوسری جلد مولانا موصوف کے خلف الرشید حضرت مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب مہتمم مدرسۂ مذکور نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی، جلد اول اور جلد دوم کی تصحیح وغیرہ خود شمس العلماء مولانا عبدالوہاب صاحب نے ماہ شعبان ۱۲۸۸ھ میں مکمل فرمائی، جس کے مطابق یہ دونوں جلدیں طبع ہوئیں۔

اعجاز عیسوی:

یہ کتاب اصلاً ۲۰۰ رصفحات پر میں مشتمل ہے، بعد میں اس میں اضافہ بھی ہوا، اس کتاب میں حضرت مولانا مرحوم نے کامل طور پر بائبل کا غیر معتبر اور محرف ہونا ثابت کیا ہے، یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی، پہلی بار آگرہ میں اور دوسری مرتبہ مطبع رضوی دہلی سے طبع ہوئی۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب اور تقریباً ناپید تھی، خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے نبیرۂ حضرت مولانا محمد حشیم صاحب نے جواُن کے قائم کردہ اور عالمی شہرت والے ادارہ ''مدرسہ صولتیہ'' کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اور خدمت حجاج پر بھی اپنے بزرگوں کی طرح سرگرم عمل رہتے ہیں، اس کتاب کی از سرنو اور پہلے سے بہتر طباعت واشاعت کا انتظام پاکستان میں کرایا اوراس کا نیا ایڈیشن جو ۶۷۷رصفحات پر مشتمل ہے، چونکہ مصنف کی عبارت امتداد زمانہ کے باعث ایک حد تک متروک اور موجودہ اردوداں نسل کے لئے جوعربی وفارسی سے نسبتاً کم واقف ہیں، بہت مشکل ہوکر رہ گئی تھی، اس کو آج کی مروجہ سلیس وعام فہم اردو میں منتقل کردیا گیا ہے، تاکہ اس کا نفع عام ہوسکے، اس اہم کام کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے بڑی محنت وجانفشانی سے انجام دیا ہے۔

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث:

اس کتاب میں دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کو باطل کیا گیا ہے، یہ کتاب ۱۲۷۱ھ میں تصنیف ہوئی اور مطبع رضوی دہلی سے ۱۲۹۲ہجری میں طبع ہوئی۔

بروق لامعہ:

اس کتاب میں رسول مقبول دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا ہے۔

البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف:

یہ کتاب ۵۶ رصفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۲۷۰ھ میں ترتیب دی گئی، جس میں تحریف انجیل پر محققانہ بحث ہے، یہ کتاب دہلی سے طبع ہوئی ہے، اس کتاب کو وزیرالدین صاحب نے مرتب کیا ہے، جو حافظ عبداللہ صاحب کے اہتمام سے ''فخر المطابع'' شاہجہاں آباد دہلی سے کتاب کی شکل میں چھپی اور ولی عہد مرزا فخر الدین بن سراج الدین بہادر شاہ دہلی کے حکم سے چھپ کر اور انہی کے حکم سے ہندوستان کے اطراف واکناف میں تقسیم ہوئی، اس کتاب میں آگرہ کے مناظرے کی تفصیل ہے، جن کو خطوط کی شکل میں مولانا کیرانویؒ نے لکھا تھا۔

معدل اعوجان المیزان:

یہ کتاب ''میزان الحق'' مولفہ پادری فنڈر کا جواب ہے، رسالہ ''نورافشاں'' شمارہ نمبر ۳۰ رجلد ۱۲ رمطبوعہ ۲۴ رجولائی ۱۸۸۴ء کے حوالہ سے جو مضمون شائع ہوا، وہ مضمون دراصل پادری صفدر علی کا ہے، اس مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ انہی کے پاس تھا۔

تقلیب المطاعن:

یہ کتاب ''تحقیق دین حق'' کے رد میں تحریر کی گئی ہے، جس میں مؤلفہ پادری لاسمند کا رد اور جواب ہے۔

معیار التحقیق:

یہ کتاب ''تحقیق الایمان'' کے رد میں تحریر کی گئی ہے، جس میں مولفہ پادری صفدر علی کا دنداں شکن جواب ہے۔

❁❁❁❁

Files\A027.TIF not found.

حقائق

وہ ملک جس نے سود ختم کر دیا

اوریا مقبول جان

سود کی حمایت اور سودی بینکاری کو آج کے جدید دور کی اہم ترین ضرورت کے طور پر پیش کرنے والے سیاسی پنڈت اور سود خور بینکاری گزشتہ ایک سو سال سے سود کی مخالف کرنے والوں سے ایک ہی سوال کرتے چلے آئے ہیں کہ اس سودی بینکاری کے نظام کا متبادل کیا ہے، یہ تو ایک عالمی معیشت کو چلانے کا طریقہ کار ہے، اگر اس نظام کو بغیر کسی متبادل کے ختم کر دیا گیا، تو پوری دنیا کی صنعت و تجارت کا پہیہ رک جائے گا، حیرت کی بات یہ ہے کہ ان دانشوروں سے پلٹ کر کوئی یہ سوال نہیں کرتا کہ یکم جولائی ۱۹۴۴ء سے ۲۲ / جولائی ۱۹۴۴ء تک کے ماؤنٹ واشنگٹن ہوٹل میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے نتیجے میں برٹن ووڈ Bretton Wood امریکہ کے شہر برٹن ووڈ معاہدے سے پہلے یہ عالمی معیشت کیسے چل رہی تھی، یہ کانفرنس اس وقت منعقد کی گئی جب اتحادی افواج نے نارمنڈی فتح کر لیا اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ ہٹلر اور اس کے اتحادی شکست کھا چکے، ایسے میں دنیا کو سودی بینکاری کے شکنجے میں جکڑنے کے لئے چوالیس اتحادی ممالک کے ساتھ سات سوتیس نمائندے یہاں جمع ہوئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پر ایک نیا عالمی مالیاتی اور اقتصادی نظام کیسے مسلط کیا جائے۔

اس کے لئے یہ معاہدہ ترتیب دیا گیا، دنیا پر مسلط کئے گئے اس عالمی معاہدے کے تحت ایک بینک قائم کیا گیا جسے عالمی اقتصادی رکھا گیا، جس کا لب لباب یہ تھا کہ ہر ملک ایک خوبصورت کاغذ پر ایک شاندار چھپائی کے ساتھ ایک تصویر چھاپے اور اس پر ایک مالیت لکھ دے، وہی کاغذ ایک روپے سے پانچ ہزار روپے کی مالیت کا بن جاتا ہے، یہ تو ہر ملک میں لازمی قرار دیا گیا لیکن عالمی منڈی میں کسی ملک کے اس جعلی کاغذ کی کتنی قیمت ہے، اس کا اختیار اس بینک کو دیا گیا جسے شرح تبادلہ کہا گیا، اصول یہ تھا کہ جس ملک کے پاس جتنا سونا ہو گا وہ اتنے نوٹ چھاپے گا، یعنی یہاں تک تو اس نظام میں یہ حقیقت تھی کہ ان کاغذوں پر جو قیمت لکھی ہوئی ہے اس کے برابر سونا حکومت کے پاس موجود ہے؛ لیکن پہلے دن سے ہی اس نظام میں جھوٹ اور فریب کی گنجائش رکھی گئی ہے، اور اس فراڈ کو بھی عالمی قانون کا حصہ بنایا گیا، یعنی اگر ایک ملک کے اپنے پاس موجود سونے کی ذخائر سے زیادہ مالیت کے جعلی کاغذ یعنی کرنسی نوٹ جاری کرتا ہے تو وہ دھوکہ اور فراڈ نہیں ہے بلکہ یہ افراد زر ہے کہ وہ کاغذ جن کی بذات خود کوئی مالیت نہیں، ان کی بہتات کو دولت کی بہتات یعنی افراط کہا گیا؛ لیکن صرف ۲۷ / سال تک ان ممالک نے اس جھوٹ اور فریب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے کرنسی نوٹ چھاپ دئے تھے کہ اگر دنیا کا کوئی ملک اپنے پاس موجود کرنسی، کاغذوں کے بدلے سونے کا مطالبہ کرتا تو وہ دے نہیں سکتا تھا۔

ایسا ہی مطالبہ فرانس کے صدر ڈیگال نے امریکہ کے صدر نکسن سے کر دیا، ایک دم جواب آیا، تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ تصور اور معاہدہ اس لئے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا کہ ہم ان کاغذوں کے بدلے سونا واپس کریں، فوراً ایک اور معاہدہ کیا گیا کہ اب ان کرنسی نوٹوں کے بدلے سونا رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ بینک جو تصفیہ کے لئے بنایا گیا ہے، وہ بتائے گا کہ کس کرنسی کی مالیت کتنی ہے اور وہ سونے کے ذخائر کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نیا لفظ نکالا گیا ہے، عموماً روزمرہ میں ہم اس کا ترجمہ "پگڑی" کے طور پر کرتے ہیں، یعنی اس دکان میں کتنا مال روزانہ بکتا اور نیا آتا ہے، کتنی فصلیں، کارخانے اور کاروباری ادارے ملک میں کتنی پیداوار فراہم کرتے ہیں، یہ بتائیں گے کہ اس ملک کے نوٹوں کی قیمت کیا ہے؟ یوں اس بینک کو جو اختیار ملا تھا اس نے ثابت

کیا کہ اس دنیا بھر کے سود خور کس طرح اس عالمی سیاسی، معاشی نظام کے ذریعہ اپنی دھونس مسلط کرتے ہیں، نائجیریا کے پاس سعودی عرب سے زیادہ تیل ہے، اس کی کرنسی کی قیمت کمزور اور آئس لینڈ جہاں گھاس بھی ڈھنگ سے نہیں اگتی، اس کی کرنسی مضبوط۔

سودی بینکاری کے وکیلوں سے کوئی یہ سوال کرے کہ صرف ۷۳ر سال پہلے جب کاغذ کے نوٹوں کو عالمی حیثیت حاصل نہ تھی، سونے اور چاندی کے سکے چلتے تھے، ایسے سکے جو اپنے اندر قیمت رکھتے تھے تو کیا اس وقت عالمی معیشت اور تجارت نہیں ہوتی تھی، اس وقت تک آج کی جدید صنعت کی اکثر چیزیں ریل، کار، جہاز وغیرہ ایجاد ہو چکے تھے، دنیا دو جنگیں بھی لڑ چکی تھی، عالمی منڈی بھی موجود تھی اور عالمی منڈی کے مقابلے میں دنیا میں ایک بہت بڑا بلاک موجود تھا جسے کمیونسٹ دنیا کہتے تھے، جب روس میں ۱۹۱۷ء میں بالشیوک انقلاب آیا تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام سودی بینکاری کو ختم کر دیا اور ان کا غیر سودی بینکاری نظام ۷۵ر سال تک چلتا رہا، لیکن جب ان ''عظیم'' سیکولر، لبرل اور کارپوریٹ دنیا کے پروردہ، دانشوروں کو قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سنائی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے ''جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کی حالت ایسے ہے جیسے شیطان نے انہیں چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع (کاروبار) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے''۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵)

پھر فرمایا ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے''۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۷۹)

اس اعلان جنگ کے بعد بھی دنیا بھر میں بسنے والے یہ مسلمان ان کمیونسٹوں جتنی غیرت بھی نہیں رکھتے تھے کہ اپنا نظام معیشت خود ترتیب دے دیتے، پاکستان کی تو حالت ہی عجیب ہے کہ یہاں ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کا فل بینچ سودی بینکاری کے خلاف فیصلہ دیتا ہے تو سب کے سب اسکے خلاف متحد ہو جاتے ہیں، ہر کوئی پوچھتا پھرتا ہے کہ کوئی متبادل ہے، بتاؤ ہم اپنی معیشت کیسے چلائیں۔

کس قدر متعصب ہیں یہ سود کے حمایت میں لکھنے اور سوچنے والے کہ جب ۲۰۰۸ء میں دنیا بھر میں مالیاتی بحران ہوا تو تمام ممالک کے بینکوں نے سود مکمل طور پر ختم کر دیا؛ لیکن یہ لوگ پھر بھی اس امید پر زندہ رہ رہے ہیں کہ ایک دن دنیا بحران سے نکلے گی تو سود پھر واپس آ جائے گا؛ لیکن جاپان ایک ایسا ملک ہے جس نے گزشتہ ایک سال سے تمام بینکوں سے سود کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا ہے، اگر کسی بھی بینک میں اپنے پیسے رکھیں گے تو وہ الٹا آپ سے آپ کے سرمایہ کی حفاظت کیلئے پیسے لے گا، کس قدر بدنصیب ہیں یہ لوگ جو جاپان کے اس نظام کو غیر سودی نظام نہیں کہہ رہے بلکہ اسے دنیا کے سودی معیشت منفی سود کہتے ہیں، یہ جاپان کی معیشت کا ایسا روپ ہے کہ لوگ اب بینکوں میں پیسے ہی نہیں رکھتے، گزشتہ سال جاپان میں ۱۰۳ر ہزار ارین کی اشیاء لوگوں نے کیش پر خریدیں، کمپنی لوگوں کو گھر بنا کر بیچتی ہے، اس نے دو لاکھ سیکی سوئی (Seki Sui) اس میں کاریں، جہاز اور بڑی بڑی اشیاء بھی شامل تھیں، سیکی سوئی ملین کے گھر بنائے جو جدید ترین تھے، نہ بنانے کے لئے بینک سے قرضہ لیا، نہ اکاونٹ کھولا اور نہ ہی لوگوں نے خریدنے کیلئے اسے چیک دئے بلکہ نقد ادائیگی کی، گزشتہ سال اشیاء صرف کی قیمتیں اتنی گری ہیں کہ ٹوکیو اب مہنگے کے بجائے سستے شہروں میں گنا جانے لگا ہے، جاپان کے حکومتی بینک نے تاریخ میں پہلی دفعہ دسمبر ۱۹۹۵ء میں صفر سودی پالیسی نافذ کی تھی اور حکومتی سطح پر سود ختم کر دیا تھا، اور اب اس ملک کے پرائیویٹ بینکوں نے بھی سود کو خیرآباد کہہ دیا، جاپان کی ترقی کو دیکھتے ہوئے یورپی سینٹرل بینک نے ۱۸ر ماہ قبل حکومتی سطح پر منفی شرح سود کا آغاز کیا ہے، دیکھیں یورپی سینٹرل بینک وہاں کے کمرشل بینک کب صفر سے منفی پر آتے ہیں، یہ جاپان ہے جس میں آڈیو کیسٹ سے لیکر کاروں، ٹرکوں، بلڈوزروں، کمپیوٹروں اور شاید ہر قسم کی مصنوعات کے کارخانے پوری دنیا کو مصنوعات بیچتے ہیں، وہ بینکوں سے آزاد ہیں اور سود سے مبرا، جاپان کا نظام معیشت سود سے پاک ہو چکا ہے اور یہ دنیا سے الگ بھی۔

طب وصحت

صبح کی سیر وتفریح صحت کیلئے ضروری

جناب مظہر حسین شیخ

نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان لاتعداد بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفائی نصف ایمان ہے، صاف ستھرا رہنے سے انسان بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ صبح کی سیر سے بھی انسان تندرست اور توانا رہتا ہے، جس طرح صاف ستھرا لباس انسان کو بیماریوں سے بچاتا ہے، اسی طرح صبح کی سیر بھی انسان کو بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے، دھلا ہوا لباس جسم کی حفاظت کرتا ہے جب کہ گندا اور میلا کچیلا لباس پہننے سے بیماریاں حملہ آور ہوتی ہیں، ہاتھ، منہ اور جسم کو پاک رکھا جائے، یہ جسمانی پاکیزگی اسی صورت قائم رہ سکتی ہے جب آپ اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیں گے، گلی محلے کے قریب پارک جہاں سبزہ ہی سبزہ ہوا سے بھی صاف ستھرا رکھنا جہاں حکومتی فریضہ ہے، وہاں ہم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کیونکہ انہیں پارکوں اور گراونڈز میں محلے کے لوگ (جن میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں) صبح سویرے چہل قدمی کے لئے جاتے ہیں اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہاں صفائی ستھرائی کا خاص خیال نہیں رکھا جاتا، یہ گراونڈ اور پارک شادی کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیئے ادھر شادی کی تقریب ختم ہوئی، ادھر فوراً کوڑا کرکٹ اٹھا لیا جائے تاکہ صبح تفریح کرنے والوں کو پریشانی کا سامنا نہ ہو، آج کل کے موسم میں اسی کوڑا کرکٹ سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں، اور بیماری کی صورت میں ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

بات ہو رہی تھی صبح کی سیر وتفریح کی، آج کل کے بچے فارغ اوقات میں ٹولیوں کی صورت میں سیر وتفریح کا پروگرام بناتے ہیں؛ لیکن صبح کی سیر کرنے میں لاپرواہی سے کام لیتے ہیں، دیکھا یہی گیا ہے کہ بچوں میں جب بھی صبح کی سیر کا پروگرام بنتا ہے تو اس کے لئے نیا ٹریک سوٹ اور جوگر خریدے جاتے ہیں؛ لیکن افسوس کی بات یہ کہ یہ شوق چند دن ہی رہتا ہے، حالانکہ صبح کی سیر انسان کے لئے بیحد مفید ہے، صبح کی سیر کرنے سے انسان چاق وچوبند رہتا ہے، سارا دن ہشاش بشاش گزرتا ہے، سستی کوسوں دور رہتی ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رات کو جلدی ہی نیند آجاتی ہے۔

ننھے منے دوستو! آپ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ ابتدائی عمر میں جو بھی عادت اپنائی جائے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ ہو جائے گی اس لئے اچھی عادت اپنانے کی کوشش کریں، بڑوں کا کہنا ہے کہ اچھی سوسائٹی اپناؤ، صبح کی سیر کرو، وقت کی پابندی کرو، اسکول سے چھٹی نہ کرو، فارغ اوقات میں اچھی کتابوں کا مطالعہ کرو، والدین واساتذہ کی عزت کرو، یقیناً ان نصیحتوں پر عمل کرکے آپ اچھی عادت کے مالک کہلاؤ گے، اچھی عادت اپنانے سے ہر کوئی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا، جن بچوں کی سوسائٹی اچھی ہوتی ہے ان میں اچھی عادتیں منتقل ہوتی ہیں، جب کہ بری سوسائٹی اپنانے سے بری عادتیں جنم لیتی ہیں، اچھے دوست ایک قیمتی سرمایہ ہیں، اس سرمائے کو ہرگز ضائع نہ کریں، اور اپنے انہیں اچھے دوست کے ہمراہ صبح کی سیر کو اپنا معمول بنالیں، موسم تیزی سے بدل رہا ہے، اس موسم میں صبح منہ اندھیرے نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اگر کسی پارک میں جہاں سبزہ ہی سبزہ ہو چہل قدمی کی جائے تو بہت سی بیماریوں سے بچا جاسکتا ہے، صحت اور تندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے صبح کی سیر ازحد ضروری ہے۔

اگر ابتدائی عمر میں یہ عادت اپنائی جائے تو بڑے ہوکر یہ عادت پختہ ہو جائے گی ، اپنے دوستوں کے ہمراہ صبح کی سیر کا پروگرام بنائیں، یوں تو پورا سال صبح کی سیر کرنی چاہئے لیکن موسم سرما کی ٹھٹھرتی صبح جب سردی نے ڈیرے جمائے ہوتے ہیں، کمبل سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور سورج بھی تاخیر سے جلوہ گر ہوتا ہے، رواں موسم سیر کا بہترین موسم ہے، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ رنگ برنگے پھول اس موسم میں کھلتے ہیں، اور صبح کی ٹھنڈی ہوا جس میں سردی لگتی ہے اور نہ گرمی کا احساس ہوتا ہے، اس موسم میں تفریحی پارک کی رونقیں لوٹ آتی ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے نوجوان لڑکوں کی تعداد کم جب کہ بڑی عمر کے مرد و خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور ان بڑوں کی تندرستی کا راز بھی صبح کی سیر ہے۔

درخت ہمیں آکسیجن مہیا کرتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ صبح کی سیر کرنے والے بیمار بھی کم ہوتے ہیں، جب صبح ہلکی پھلکی ورزش کے بعد سانس پھولتا ہے تو اتنی ہی تیزی سے ہمیں آکسیجن ملتی ہے اور صبح کی تازہ آکسیجن بھری ہوا، آلودگی، گویا صبح کی سیر کرنے سے سارا دن اچھا گزرتا ہے، اور انسان اپنے آپ کو سارا دن تروتازہ محسوس کرتا ہے، صبح کی سیر کے لئے ضروری ہے کہ رات کو سونے میں تاخیر نہ کی جائے، رات کو تاخیر سے سونے سے صبح آنکھ بھی اتنی جلدی نہیں کھلے گی، ڈاکٹروں کے مطابق روزانہ آٹھ گھنٹوں کی نیند کافی ہوتی ہے، یہ نہیں رات گئے تک جاگتے رہیں اور صبح سویرے جاگ جائیں اور اگر زبردستی جاگ بھی جائیں تو سارا دن نیند کا غلبہ طاری رہے گا، اور سیر کا وہ لطف نہیں آئے گا، ترقی یافتہ اس دور میں رات کو تاخیر سے سونا تقریباً ہر گھر کا معمول بن چکا ہے، بہت کم گھرانے ایسے ہیں جو رات کو جلدی اور صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہوں، یقیناً ان کی صحت بھی قابل رشک ہوتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ صبح کا موسم سہانا ہوتا ہے، ہوا میں ٹھنڈک ہوتی ہے، جو جسم کو بھلی لگتی ہے، پرندے چہچہاتے ہیں، ہری بھری گھاس پر شبنم کے قطرے ہوتے ہیں، راستے میں بہت ...... سے لوگوں کو بھی سیر کرتے دیکھا جا سکتا ہے، جب کہ گاؤں کا منظر بھی عجیب ہوتا ہے، علی الصبح کسان مویشی ہانک کر کھیتوں میں لے جاتے ہیں، گاؤں میں نوجوان لڑکے گرمیوں کے موسم میں دریا کے کنارے یا پھر نہر پر جا کر لطف اندوز ہوتے ہیں، اس طرح پھیپھڑوں کو تازہ صاف شفاف ہوا ملتی ہے، جس سے طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے، سارا دن کام بھی خوب ہوتا ہے، سستی قریب نہیں آتی، غرضیکہ صبح کی سیر کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ❁❁❁❁

غــزل

پیشکش: الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

جو علم و ادب سے تھے سیراب نہیں ملتے
کس راہ میں کھوئے ہیں احباب نہیں ملتے

صحرائے جنوں میں اب خاک نہیں اڑتی
اب لوگ محبت میں بے تاب نہیں ملتے

نفرت کی ہواؤں سے بیزار ہوئے ایسے
ڈھونڈے سے وفاؤں کے سرخاب نہیں ملتے

موسم ہے بہاروں کا پھر بھی یہ اداسی کیوں
پھولوں سے حسین چہرے شاداب نہیں ملتے

جو پیاس بجھاتے تھے، انجان مسافر کی
اب گاؤں میں پہلے سے تالاب نہیں ملتے

ہر شخص پریشاں ہے برباد وہراساں ہے
اس دور تباہی کے اسباب نہیں ملتے

اُس ذات گرامی کو ایک خط مجھے لکھنا ہے
الجھن میں شرافتؔ ہوں القاب نہیں ملتے

اصلاحیات

جودوسخا جنت میں داخلہ کا سبب

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ابدال اپنی نماز، روزہ کی زیادتی سے نہیں بلکہ اپنے دلوں کی صفائی اور صفت سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (شعب الایمان)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخی آدمی اللہ کے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے، بیشک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی شریف)

یعنی جو شخص عبادت بہت کثرت سے کرتا ہو، نوافل بہت لمبی لمبی پڑھتا ہو، اس سے وہ شخص اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، جو نوافل کم پڑھتا ہو، لیکن سخی ہو، عابد سے مراد نوافل کثرت سے پڑھنے والا ہے، فرائض کا پڑھنا تو ہر شخص کیلئے ضروری ہے، چاہے سخی ہو یا نہ ہو، امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علی نبینا علیہ السلام نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت فرمایا کہ تجھے سب سے زیادہ محبوب کون شخص ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے، اس نے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت مومن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق سخی سے ہے، انہوں نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لیجانے کیلئے کافی ہے، لیکن فاسق سخی پر مجھے ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگزر نہ فرمادیں، یعنی اگر حق تعالیٰ شانہ اس کی سخاوت کی وجہ سے کسی وقت اس سے راضی ہوگئے تو اس کے دریائے مغفرت ورحمت میں عمر بھر کے فسق وفجور کی کیا حقیقت ہے، وہ سب کچھ معاف فرماسکتا ہے، ایسی صورت میں میری عمر بھر کی محنت جو اس سے گناہ صادر کرانے میں کی تھی ساری ضائع ہوگئی، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جل شانہ کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے کرتا ہے، اور جو بخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے۔

حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی عطا فرماسکتا ہے اور ایسے شخص کے اللہ کے قریب ہونے میں کیا تردد ہے، اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہوگئے تو پھر کہاں سے آئیں گے، ایسے شخص کا اللہ سے دور ہونا ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے خزانہ کو بھی محدود سمجھتا ہے، حالانکہ آمدنی کے اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب پیدوار کا نہ ہونا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ نہ چاہے تو دکاندار ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے، کاشتکار بوئے اور پیداوار نہ ہو اور جب کہ یہ سب اسی کی عطا کی وجہ سے ہے، پھر اس کا کیا مطلب کہ پھر کہاں سے آئے گا، مگر ہم لوگ زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد دل سے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ شانہ ہی کی عطا ہے، ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں اور صحابہ کرام دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب اسی کی عطا ہے جس نے آج دیا وہ کل بھی دے گا، اس لئے ان کو سب کچھ خرچ کردینے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا جس کے ذریعہ سے وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، اور بخل جہنم کا ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا یہاں تک کہ وہ ٹہنی اس کو جہنم میں داخل کرکے رہے گی۔ (مشکوۃ شریف)

منبع جودوسخا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سخاوت:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقاء سرور کائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

کو جہاں دیگر کمالات اور اوصاف حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا وہیں صفت سخاوت میں بھی آپ اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، حضرات صحابہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ جود وسخا والے تھے اور رمضان المبارک میں تو تیز رفتار ہوا کی طرح آپ سے صفت سخاوت کا ظہور ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سائل کو محروم نہیں فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کا ایک کوڑے کے بدلہ اسی بکریاں عطا فرمایا:

حضرت عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ایک صحابی غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنی اونٹی پر سوار تھا اور میرے پیر میں ایک سخت جوتا تھا، میری اونٹنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب چل رہی تھی کہ اچانک بھیڑ کی وجہ سے اتنی قریب پہنچ گئی کہ میرے جوتے کا کنارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی میں لگ گیا، جس سے آپ کو تکلیف ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیر پر کوڑا مارا فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، پیچھے ہو جاؤ، وہ صحابی فرماتے ہیں، پھر میں چلا گیا، اگلے دن معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تلاش کروا رہے ہیں، تو میرے دل میں احساس ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر کو تکلیف پہنچانے کا قصہ ہے، چنانچہ میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے جوتے سے میرے پیر کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کی وجہ سے میں نے تمہارے قدم پر کوڑا مارا تھا، اب میں نے تمہیں اس کا بدلہ دینے کے لئے بلایا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی علیہ وسلم نے مجھے ایک کوڑے کی ضرب کی بدلے میں ۸۰/ بکریاں عنایت فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حساب بکریاں عطا فرمانا:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور جب بھی آپ سے کوئی چیز مانگی گئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا، ایک مرتبہ ایک شخص مانگنے کے لئے آیا تو آپ نے اس کو اتنی بکریاں دینے کا حکم فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان سما جائیں، تو اس شخص نے اپنی قوم میں جا کر یہ کہا کہ اے لوگو! اسلام لے آؤ اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بخشش عطا فرماتے ہیں کہ جس کے بعد کسی فقر و فاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔ (مسلم شریف)

نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر مبارک سائل کو دیدی:

حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے اور اسے میں آپ کی خدمت میں لائی ہوں، تاکہ آپ اسے زیب تن فرمالیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت شوق سے وہ چادر قبول فرمائی، پھر اس چادر کو ازار کی جگہ پہن کر مجمع میں تشریف لائے، اسی وقت ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے درخواست کی کہ حضرت یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں، یہ تو بہت عمدہ ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا، پھر کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد اندر تشریف لے گئے اور دوسرا ازار بدل کر وہ چادر سوال کرنے والے کو بھیجوادی، یہ ماجرا دیکھ کر صحابہ کرام نے ان صحابی پر نکیر کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تو تم نے یہ چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو اپنے کفن میں استعمال کرنے کیلئے یہ درخواست پیش کی تھی، حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہوا، جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کو اسی چادر میں کفن دیا گیا''۔ (بخاری شریف)

سرور کائنات ﷺ کا سائل کے لئے قرض لینا:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن تم میری ذمہ داری پر کوئی چیز خرید لو، جب میرے پاس وسعت ہوگی تو میں ادا کردوں گا، یہ جواب سن کر حضرت عمر فرمانے لگے، اے اللہ کے رسول! آپ نے اس شخص کو یہ موقع دیدیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت سے زیادہ کا

مکلّف نہیں بنایا، حضرت عمر کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی نہیں لگی پھر ایک انصاری شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو خرچ کئے جائیے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ مت کیجئے، انصاری کی بات سن کر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام مسکرا اٹھے اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت پھیل گئی اور فرمایا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔(مکارم الاخلاق)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا، میں نے کہا آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا، یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا، اس میں سے آدھا لے آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا آدھا چھوڑ آیا، اور حضرت ابوبکر صدیق جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ انہوں نے عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا، یعنی اللہ اور اس کے رسول پاک کی برکت اور ان کی رضا وخوشنودی کو چھوڑ آیا، حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر سے کبھی بھی نہیں بڑھ سکتا۔(الترغیب والترہیب)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے، یہ ساری رقم اللہ تعالی کے راستہ میں خرچ کردی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں اور میرا مال تو صرف آپ ہی کے لئے ہے''۔(اسد الغابہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔(مکارم الاخلاق)

حضرت عمر کی سخاوت:

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے:

يَا عُمَرُ الْخَيرُ خَيرُ الْجَنَّةِ
اُكْسُ بَنَاتِيْ وَاُمَّهُنَّهُ
اُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّهُ

اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے، میری لڑکیوں کو اور ان کی ماں کو کپڑے پہنا، خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تمہارا کہنا نہ مانوں تو کیا ہوگا، بدو نے کہا: ؎

تَكُوْنُ عَنْ حَالِي لَتُسْئَلَنَّهُ
وَالْوَاقِفُ الْمَسْئُوْلُ يَبْهَتَنَّهُ
اِمَّا اِلَى النَّارِ وَاِمَّا جَنَّتَهْ

تجھ سے میری نسبت سوال ہوگا، اور تو ہکّا بکّا رہ جائے گا، پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی، پھر غلام سے کہا یہ میرا کرتا اس کو دیدے، اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔(سیرۃ العمرین)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کسی رشتہ دار نے ان سے سوال کیا، آپ نے اسے ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا، اس واقعہ پر لوگوں میں تبصرہ ہوا، اور حضرت سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص کو کیوں نکال دیا گیا تو حضرت عمر نے جواب دیا وہ شخص اللہ کے مال کے بارے میں سوال کرنے آیا تھا، اس میں اگر اسے دیدیا تھا تو پھر اللہ کے دربار میں قیامت کے دن خیانت کرنیوالے حاکم کی صورت میں پیش ہوکر میں کیا معذرت کرتا اگر اس شخص کو مانگنا تھا تو میرے ذاتی مال کا سوال کرتا، پھر آپ نے اسے دس ہزار درہم بھجوائے۔(مکارم الاخلاق)

حضرت عثمان غنی کی سخاوت:

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے ۳۰۰ر اونٹ مع ساز وسامان صدقہ فرمائے اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈالدیا، راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے:"ماضر ابن عفان ما فعل بعد هذا" آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرتے رہیں، ان کا کچھ نہ بگڑے گا، مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔(مکارم الاخلاق)

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی، سید حضرت عثمان غنی نے شام کے علاقہ سے سو اونٹ غلہ منگایا، جب غلہ سے بھرے اونٹ مدینہ منورہ پہنچے تو شہر کے تاجر حضرت عثمان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ امیر المومنین جتنے درہم میں آپ نے یہ غلہ شام سے خریدا ہے اسی کے برابر نفع دیکر ہم یہ غلہ خریدنے کو تیار ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے، تو تاجروں نے کہا کہ اچھا دوگنے نفع پر دیدیجئے، حضرت نے پھر جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ کا بھاؤ لگ چکا ہے، تاجر بھی نفع بڑھاتے رہے تا آنکہ پانچ گنے تک نفع پر آگئے، اور حضرت عثمان پھر بھی تیار نہ ہوئے، اور یہی فرماتے رہے کہ اس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے، یہ سن کر تاجروں نے کہا کہ آخر کس نے آپ سے زیادہ قیمت لگادی، مدینہ منورہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالی نے دس گنا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے، تو کیا تم لوگ اتنا یا اس سے زیادہ دینے پر راضی ہو، تاجروں نے انکار کردیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارا غلہ مدینہ منورہ کے فقراء ومساکین پر صدقہ ہے اور وہ غلہ سب محتاجوں میں تقسیم فرمادیا۔(الترغیب والترہیب)

حضرت علی اورحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی سخاوت:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بہت بیمار ہوگئے تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ نے منت (نذر) مانی اگر یہ تندرست ہوجائیں تو شکرانہ کے طور پر تین تین روزے دونوں حضرات رکھیں گے، اللہ تعالی کے فضل سے دونوں صاحبزادوں کو صحت ہوگئی، ان حضرات نے شکرانہ کے روزے رکھنے شروع فرمادئے مگر گھر میں نہ سحری کے لئے کچھ تھا نہ افطار کے لئے، فاقہ پر روزہ شروع کردیا، صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے، جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تو کچھ اون دھاگہ بنانے کے لئے اجرت پر دیدے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اس کام کو کردے گی، اس نے اون کا ایک گٹھر تین صاع جو کی اجرت طے کرکے دیدیا، حضرت فاطمہ نے اس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صاع جو اجرت لیکر ان کو پیسا اور پانچ نان اس کے تیار کئے، ایک ایک اپنا میاں بیوی کا دو دونوں صاحبزدوں کے اور ایک باندی کا جس کا نام فضہ تھا، روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے اور کھانا کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازے سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں مجھے کچھ کھانا دو، اللہ جل شانہ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھانا کھلائے، حضرت علی نے ہاتھ روک لیا، حضرت فاطمہ سے مشورہ کیا، انہوں نے فرمایا ضرور دیدیجئے، وہ سب روٹیاں اس کو دیدیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے، اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کردیا، دوسرے دن میں پھر حضرت فاطمہ نے دوسری تہائی اون کاتی اور ایک صاع جو اجرت لیکر اس کو پیسا روٹیاں پکائیں اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے

کے لئے بیٹھے تو ایک یتیم نے دروازے سے سوال کیا اور اپنی تنہائی وفقر کا اظہار کیا ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں اس کے حوالہ کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا اور صبح کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اون کا باقی حصہ کاتا اور ایک صاع جو رہ گیا تھا وہ لیکر پیسا، روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آکر آواز دیدی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اظہار کیا، ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں اس کو دیدی اور خود فاقہ سے رہے، چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا، حضرت علی دونوں صاحبزادوں کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے، چلو فاطمہ کے پاس چلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لائے وہ نماز پڑھ رہی تھیں، بھوک کی شدت سے آنکھیں گڑ گئی تھیں، پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور حق تعالیٰ شانہ سے فریاد کی اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ دہر کی آیت: "وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا" لیکر آئے اور اس پروانہ خوشنودی کی مبارک باددی۔ (فضائل صدقات)

علامہ سیوطی نے درمنشور میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں دو تھیلیوں میں بھر کر اسی ہزار درہم روانہ فرمائے، حضرت عائشہ اس دن روزہ سے تھیں، مگر صبح سے طبق میں دراہم رکھ کر فقراء اور محتاجین کو تقسیم کرنے تشریف فرما ہوئیں اور شام تک ساری رقم تقسیم فرمادی، ایک درہم بھی باقی نہیں رہا، شام کو ایک خادمہ افطار کے لئے حسب معمول روٹی اور تیل لائی اور عرض کیا کہ اماں جان! اگر آپ اس مال میں سے ایک درہم بچا کر اس کا گوشت منگالیتیں تو آج اسی سے افطار کرلیا جاتا، حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تم پہلے سے یاد دلاتیں تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انداز سخاوت:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر کے پاس جب کوئی سائل آتا اور دعائیں دیتا جیسا کہ سائلین کا طریقہ ہے، تو ام المومنین بھی اس فقیر کو دعائیں دیتیں اور بعد میں کچھ خیرات دیتیں، کسی نے کہا اے ام المومنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہو اور جس طرح وہ آپ کو دعا دیتا ہے، آپ بھی دعا دیتی ہو، فرمایا کہ اگر میں اس کو دعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ رہے گا، اس لئے کہ دعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے، اس لئے دعا کی مکافات دعا سے کر دیتی ہوں تاکہ میرا صدقہ خالص رہے، کسی احسان کے معاملہ میں نہ ہو۔ (سیرت المصطفیٰ جلد ا/صفحہ ۳۳۱)

دور صحابہ کے ایک غلام کی سخاوت:

حضرت عبداللہ بن جعفر ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک باغ پر گزر ہوا، وہاں ایک حبشی غلام باغ میں کام کر رہا تھا اس کی روٹی آئی اور اسکے ساتھ ہی ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اس غلام کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اس غلام نے کام کرتے کرتے ایک روٹی اس کتے کے سامنے ڈالدی، اس کتے نے اس کو کھالیا اور پھر کھڑا رہا، اس نے دوسری اور پھر تیسری روٹی بھی ڈالدی، کل تین ہی روٹیاں تھیں وہ تینوں کتے کو کھلا دیں، حضرت عبداللہ بن جعفر کھڑے دیکھتے رہے، جب وہ تینوں ختم ہو گئیں تو حضرت عبداللہ بن جعفر نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزآنہ آتی ہیں؟ اس نے عرض کیا، آپ نے ملاحظہ تو فرمالیا تین ہی آیا کرتی ہیں، حضرت نے فرمایا کہ پھر تینوں کا ایثار کیوں کر دیا، غلام نے کہا حضرت یہاں کتے رہتے نہیں ہیں، یہ غریب بھوکا کہیں دور سے مسافت طے

کر کے آیا ہے، اس لئے مجھے اچھا نہ لگا کہ اس کو ویسے ہی واپس کر دوں حضرت نے فرمایا کہ پھر تم آج کیا کھاؤ گے؟ غلام نے کہا کہ ایک دن فاقہ کرلوں گا یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ تو بہت سخاوت کرتا ہے، یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے یہ سوچ کر شہر میں واپس تشریف لے گئے اور اس باغ کو اور غلام کو اور جو کچھ سامان باغ میں تھا سب کو اس کے مالک سے خرید کر غلام کو آزاد کیا اور باغ اس غلام کی نذر کر دیا۔ (احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۲۵۸)

حضرت منصور بن عمار بصری کی چار دعائیں اور ایک گنہ گار کی توبہ وسخاوت:

ایک شرابی تھا جس کے یہاں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا، ایک مرتبہ اس کے یار احباب جمع تھے، شراب تیار تھی، اس نے اپنے ایک غلام کو چار درہم دیئے کہ شراب پینے سے پہلے دوستوں کو کھلانے کے لئے کچھ پھل خرید کر لائے، وہ غلام بازار جا رہا تھا، راستہ میں حضرت منصور بن عمار بصری کی مجلس پر گزر ہوا وہ کسی فقیر کے واسطے لوگوں سے کچھ مانگ رہے تھے، اور یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص ایک فقیر کو چار درہم دے میں کیلئے چار دعائیں کروں گا، اس غلام نے وہ چاروں درہم اس فقیر کو دیدیئے، حضرت منصور نے فرمایا بتا کیا دعائیں چاہتا ہے، غلام نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے، میں اس سے خلاصی یعنی آزادی چاہتا ہوں، حضرت منصور نے اس کی دعا کی، پھر پوچھا دوسری دعا کیا چاہتا ہے، غلام نے کہا مجھے ان دراہم کا بدل مل جائے، حضرت منصور نے اس کی بھی دعا کی، پھر پوچھا کہ تیسری کیا دعا ہے؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ میرے سردار کو توبہ کی توفیق دے اور اس کی توبہ قبول کرلے، حضرت نے اس کی بھی دعا کی، پھر پوچھا کہ چوتھی کیا دعا ہے؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ میری اور میرے سردار کی اور تمہاری اور اس مجمع کی، جو یہاں حاضر ہے سب کی مغفرت فرما دے، حضرت منصور نے اس کی بھی دعا کی، اس کے بعد وہ غلام خالی ہاتھ اپنے سردار کے پاس پہنچا، سردار انتظار میں تو تھا ہی کہنے لگا اتنی دیر لگا دی، غلام نے قصہ سنایا، سردار نے پوچھا کیا کیا دعائیں کرائیں، غلام نے کہا پہلی تو یہ کہ میں آزاد ہو جاؤں، سردار نے کہا میں نے تجھے آزاد کر دیا، دوسری دعا کیا تھی، غلام نے کہا کہ مجھے ان درہموں کا بدل مل جائے، سردار نے کہا میری طرف سے تجھے چار ہزار درہم نذر ہیں، تیسری دعا کیا تھی، غلام نے کہا حق تعالیٰ شانہ تمہیں توبہ کی توفیق دے، سردار نے کہا میں نے توبہ کر لی، چوتھی دعا کیا تھی، غلام نے کہا حق تعالیٰ شانہ میری اور آپ کی اور ان بزرگ کی اور سارے مجمع کی مغفرت فرما دے، سردار نے کہا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، رات کو سردار نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا کہ جب تو نے وہ تینوں کا کر دئے جو تیرے اختیار میں تھے، میں نے تیری اور اس غلام کی اور منصور کی اور اس سارے مجمع کی مغفرت کر دی۔

بشر بن حارث حانی کی سخاوت:

عباس بن دہقانی کہتے ہیں کہ بشر بن حارث حانی کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کہ جس حال میں دنیا میں آیا تھا، یعنی خالی ہاتھ، ننگا بدن، ایسا ہی دنیا سے گیا ہو، وہ بیمار تھے، وصال کا وقت قریب تھا، ایک سائل آ گیا، اپنی ضرورت کا اظہار کیا، جو کرتہ بدن پر تھا وہ اس کو بخش دیا، دوسرے سے کرتہ مستعار مانگا اور اس میں وصال فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی سخاوت:

کون کہتا ہے کہ یہ واقعات پچھلے ہی بزرگوں کے ساتھ خاص تھے، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کے وصال کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا، حضرتؒ کا معمول باوجود کثرتِ فتوحات اور ہدایا کے یہ تھا کہ جو کچھ جمع ہوتا تھا وہ طلبہ اور خدام میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے، چنانچہ وصال سے کچھ زمانہ پہلے اپنے بدن کے کپڑے بھی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کو دیدیئے تھے، اب میں تمہارے سے مستعار لیکر پہنوں گا، حضرت کو اس بات کا شوق تھا کہ آخری وقت میں کوئی چیز ملک میں نہ ہو، اور جب بے تعلق دنیا میں آیا تھا ویسا ہی اس دنیا سے جاؤں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**